Regd. L. No. 7243

Phone, 80800

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

مارچ 1973

بتقریب یومِ پاکستان

قائدِ اعظم کا ارشاد

(حیدرآباد۔ دکن میں)

اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیشِ نظر رہنا چاہیئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمنٹ کی۔ نہ کسی شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اسلامی حکومت قرآنی اصول و احکام کی حکمرانی کا نام ہے۔

شائع کردہ ادارۂ طلوعِ اسلام ۲۵ بی۔ گلبرگ۔ لاہور

قیمت فی پرچہ ایک روپیہ

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر!

ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور

بدلِ اشتراک
پاکستان
سالانہ ــــــ دس روپے
غیر ممالک
سالانہ ــــــ ایک پونڈ

ٹیلی فون
۸۰۸۰۰
خط و کتابت
ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام ۔ ۲۵ بی گلبرگ ۲ لاہور

قیمت فی پرچہ
ایک روپیہ

جلد (۲۶) | مارچ ۱۹۷۳ء | نمبر (۳)

فہرست

۱۔ لمعات ـــــــــــــــ ۲
۲۔ مسودۂ آئینِ پاکستان اور علمائے کرام ـــــــــــــــ ۹
۳۔ شذرات ــــ (بساطِ سیاست کی مہرہ بازیاں ۔ اکثریت کا حق ۔ ایک مارکسسٹ کا مشورہ) ــــ ۱۷
۴۔ نقد و نظر ــــ (فضل العرب علی الصبا ۔ میزانِ اقبال ۔ معرکۂ ایمان و مادیت) ــــ ۲۳
۵۔ پاکستان میں فکر اور احساس کی تعلیم ۔ ــــ (محترم علاؤ الدین اختر صاحب) ــــ ۲۶
۶۔ قانون کا احترام ــــ (محترم حسن عباس رضوی صاحب) ــــ ۳۳
۷۔ کہہ دیں دشت میں لے کر تیرا پیغام پھرے ۔ ــــ (محترم خان عبدالصمد اچکزئی) ــــ ۴۵
۸۔ تفہیم القرآن (مودودی صاحب ۔ جلد سوم) پر ایک نظر ۔ ــــ (شاہد عادل) ــــ ۴۹

ایڈیٹر محمد خلیل ۔ ناشر سراج الحق مقام اشاعت ۔ ۲۵/بی گلبرگ ۲ لاہور ۔ پرنٹر شیخ محمد اشرف مطبوعہ ۔ اشرف پریس ایبک روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

مدت سے ملک میں اس قسم کی خبریں گشت لگا رہی تھیں کہ بعض صوبوں میں بڑی مقدار میں اسلحہ سمگل ہو کر آ رہا ہے۔ لیکن قوم ایک عرصہ کے "شیر آیا، شیر آیا" کے مذاق سے کچھ ایسی پنبہ در گوش ہو چکی ہے کہ اب بڑی سے بڑی توحش انگیز خبر بھی اُن کے دل میں کسی قسم کا احساس بیدار کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ وہ زندگی کے سنجیدہ مسائل سے بے اعتناء ہو چکی ہے۔ اس لئے نہ تو اس نے ان خبروں کو درخورِ توجہ سمجھا، نہ ہی حکومت کی طرف سے ان کی تائید یا تردید میں کچھ کہا گیا۔ تا آنکہ ۱۰ فروری کی شام کو اس خبر نے ملک کی فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا کہ عراقی سفارتخانہ متعینہ اسلام آباد سے بڑی مقدار میں روسی ساخت کا اسلحہ برآمد ہوا ہے۔ حکومت کی طرف سے اس واقعہ کی نمایاں طور پر تشہیر کی گئی جس سے اس کی اہمیت مشتبہ ہو گئی۔ ابھی اس کے متعلق عوام میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ گیارہ فروری کی سہ پہر کو لاہور کے ایک پبلک جلسے میں بلوچستان کے معروف سیاسی راہنما سردار محمد اکبر خان بگٹی نے اس قسم کے انکشافات کئے جن سے عراقی سفارتخانہ کے واقعہ کی سنسنی خیزیت بھی ماند پڑ گئی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ تقریر تقریب اڑھائی گھنٹہ پر مشتمل تھی اور اس میں ملکی سیاست کے متنوع گوشوں کے رازہائے مستور کو بڑی وضاحت سے بے نقاب کیا گیا تھا۔ ہمارے ہاں کے اخبارات میں جس انداز کی رپورٹنگ ہوتی ہے اس کا اخبار بین طبقہ کو اچھی طرح اندازہ ہے۔ ہم نے لاہور سے شائع ہونے والے ۱۲ فروری کے مختلف اخبارات ـــــ نوائے وقت، پاکستان ٹائمز، مساوات، امروز، جمہور اور وفاق ـــــ میں شائع شدہ تقریر کے مختلف ٹکڑوں سے اس کی تفصیل کو مرتب کیا ہے جو درج ذیل ہے۔ اسے طلوع اسلام کے صفحات میں محفوظ کر لینے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ آنے والا مؤرخ اس کا اندازہ لگا سکے کہ اس بدنصیب ملک میں خود اپنوں کے ہاتھوں کیا ہو رہا تھا اور اس کی تباہی میں کون کون شریک تھا۔ شاید اس سے ہماری آنے والی نسلیں کچھ عبرت پکڑیں۔ ہم اس طرح مرتب کردہ تقریر کو خود بگٹی صاحب کے الفاظ میں درج ذیل کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا۔

وہ بلوچستان اور سرحد کی ظاہری حکومت ہر قدم ایک غیر ملکی حکومت کے اشارے پر اٹھاتی ہے۔ نیشنل عوامی پارٹی (نیپ) نے غیر ملکی طاقت سے اُس وقت رابطہ قائم کیا جب ون یونٹ کو توڑنے اور صوبوں کو برابر خود مختاری دینے کی تحریک زوروں پر تھی۔ ان لوگوں نے اُس طاقت سے رابطہ قائم کیا اور خود مختاری کی تحریک کیلئے امداد طلب کی جو انہیں سرمائے اور اسلحہ کی صورت میں فوراً فراہم کر دی گئی۔ اس کے بعد اس امداد کا سلسلہ جاری رہا۔ کراچی کے بہت سے صنعتکاروں نے بھی بے شمار فنڈ دیا کیونکہ انہیں بلوچستان کی کانوں سے دلچسپی تھی اور وہ اپنے مفادات کی

حفاظت کرنا چاہتے تھے۔ میں اس خفیہ تنظیم کا جسے یہ امداد فراہم کی جاتی تھی خزانچی تھا۔ اس کے بعد سارے پاکستان میں تحریک چلی۔ ایوب خان کو تخت چھوڑنا پڑا۔ یحییٰ خان نے وعدہ کیا کہ ون یونٹ توڑ دیا جائے گا۔ اس کے بعد مشرقی پاکستان کا ہنگامہ شروع ہو گیا۔ جس دن مشرقی پاکستان میں فوجی آپریشن شروع ہوا، اس دن مسٹر غوث بخش بزنجو نے اس خفیہ بلوچ تنظیم کا ہنگامی اجلاس بلایا جو رات دس بجے سے صبح تین بجے تک جاری رہا۔ اس اجلاس میں مسٹر بزنجو نے کہا کہ ہم پاکستان کے گلے پر چھری پھیر آئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ یحییٰ خان سے بھی ملے ہیں اور مجیب سے بھی اور انہوں نے اس امر کی کوشش کی ہے کہ یہ دونوں کسی سمجھوتے پر نہ پہنچ سکیں۔ انہوں نے یحییٰ خان سے کہا کہ شیخ مجیب کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ آپ فوج استعمال کریں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا۔ مسٹر بزنجو نے ہم سے کہا کہ پاکستان برباد ہو چکا ہے۔ بنگلہ دیش بن چکا ہے۔ اب اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ اس کے بعد خفیہ تنظیم کے اجلاس ہوتے رہے اور جنگ کے بارے میں بھی پیشگوئیاں ہوتی رہیں جو بالکل صحیح ثابت ہوئیں۔ ایک اجلاس میں پاکستان اور بھارت کے درمیان جنگ چھڑنے کی تاریخ بھی بتائی گئی اور تنظیم کے اراکین سے کہا گیا کہ وہ تیاری کر لیں۔ ان کا پروگرام یہ تھا کہ جیسے ہی جنگ چھڑے ادھر سے بھی حملہ کر دیا جائے اور پھر ایک ہی ہلے میں معاملہ صاف کر دیا جائے۔ یہ بھی بتایا گیا کہ بڑی طاقت کی طرف سے اشارہ ہو چکا ہے۔ اس نے اسلحہ اور روپے کی تفصیلات پوچھی ہیں اور کہا ہے کہ آزادی کا اعلان کر دو۔"

"اس خفیہ تنظیم نے تمام قبائلی سرداروں کو دفاعی انتظامات کرنے کی ہدایات جاری کر دیں اور بلوچستان میں متوقع فوجی آپریشن کے مقابلے کی تیاری شروع ہو گئی ــــ چند دن کے بعد اسی غیر ملکی طاقت نے پیغام بھیجا کہ فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یحییٰ خان سے کہہ دیا گیا ہے کہ سرحد اور بلوچستان میں فوجی کارروائی نہ کی جائے اور اس نے اس کی یقین دہانی کرا دی ہے۔"

"یحییٰ خان نے ایک وقت نیپ پر پابندی لگا دی تھی اور اس کے لیڈروں کی گرفتاری کا اعلان بھی کیا تھا۔ اس پر نیپ کے بہت سے لیڈر روپوش ہو گئے اور کچھ افغانستان چلے گئے تھے۔ چند دن بعد اسی غیر ملکی طاقت نے نیپ کے ایک سینئر آدمی کے ذریعے اطلاع دی کہ یحییٰ خان کو دھمکی دے دی گئی ہے کہ پابندی کافی ہے۔ اگر گرفتاریاں کی گئیں تو نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ اس پر یحییٰ خان نے گرفتاریاں نہ کرنے کا وعدہ کر لیا۔ چنانچہ اس غیر ملکی طاقت نے نیپ کے لیڈروں سے کہا کہ آپ لوگ واپس آجائیں اور کام جاری رکھیں۔ سندن میں اسی غیر ملکی طاقت نے اعلیٰ سطح کا اجلاس بلایا تھا جس میں گوریلا جنگ کے ماہرین، نیپ کے راہنما اور گوریلا فوج کے کمانڈر میجر جنرل جیلانی (ریٹائرڈ) بھی شریک ہوئے تھے۔ اس کی تفصیل ذرا آگے چل کر سامنے لائی جائے گی۔"

"۱۹۷۰ء کے انتخابات کے بعد جب مجیب الرحمٰن چھ نکات پر اڑ گئے، تو ہمارا ایک خفیہ اجلاس ہوا جس میں ولی خان، اجمل خٹک، بزنجو اور مینگل بھی شریک تھے۔ اجلاس میں فیصلہ ہوا کہ اس بحران سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے اور ان اختلافات کو اتنا بڑھا دینا چاہیے کہ پاکستان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ جائے۔ پھر ہم آسانی کے ساتھ علیحدگی کا اعلان کر سکتے ہیں۔ مجھے اس سلسلے میں ڈھاکہ بھیجا گیا اور کہا گیا کہ میں شیخ مجیب الرحمٰن کو یہ یقین دلاؤں کہ ہم قومی اسمبلی میں ان کا ساتھ دیں گے۔ میں نے کراچی واپس آکر ولی خان کو پوری رپورٹ پیش کر دی۔ وہ خود تو آنکھوں کے علاج کے بہانے لندن چلے گئے اور مجھ سے کہا کہ تم پھر ڈھاکہ جاؤ اور پروفیسر مظفر سے مل کر کہو کہ بنگال کی طرح آئین سازی

کے موقع پر تجویز پیش کی جائے کہ جب کوئی صوبہ چاہے علیحدگی اختیار کر سکتا ہے۔ مگر پروفیسر مظفر نے کہا کہ اگر ولی خان اور بزنجو تحریک پیش کریں تو ہم اُن کا ساتھ دیں گے۔ میں واپس آ گیا لیکن انہوں نے مجھے پھر بھیجا اور کہا کہ پروفیسر مظفر سے کہو کہ ہم یہ تجویز اس لئے پیش نہیں کر سکتے کہ پورا مغربی پاکستان ہمارے خلاف ہو جائے گا ہمیں پس پردہ رہنے دو۔ اس کے بعد بحران بڑھتا گیا۔"

"ستمبر میں ولی خان نے زور دیا کہ وقت نزدیک آتا جا رہا ہے، تیاری تیز کر دو بیس ہزار گوریلا فوج کے لئے سامان کی فہرست بھی بھیج دی گئی لیکن میرے اور کچھ اور ساتھیوں کے اختلافات کی وجہ سے کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اور اسی لئے بلوچ تنظیم بھی کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکی کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد کہا گیا کہ سنہری موقع ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ اب اس منصوبے کی تکمیل مختلف مرحلوں میں کی جائے گی۔ چنانچہ بلوچ تنظیم کی ہدایت پر نیپ نے اپنا تمام زور الیکشن جیتنے پر لگا دیا تاکہ طاقت حاصل کرنے کے بعد اپنی مذموم سرگرمیوں کو آسانی سے جاری رکھا جا سکے الیکشن جیتنے کے لئے بیرونی طاقت نے بے شمار فنڈ اور جیپیں دیں جنہیں بلوچستان کے وزیر اور دوسرے ارکان ابھی تک استعمال کر رہے ہیں۔ اقتدار میں آنے کے بعد نیپ نے اپنی سازش کو تیزی سے عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا اور ایک نیم قانونی فوج بلوچستان لیوی کے نام سے تیار کی جو بغاوت کے بعد ہراول دستے کا کام دے سکے۔ گوریلوں کی تربیت اور فوجی سازو سامان کی سمگلنگ تیز ہو گئی اور بہت سی حکومتوں سے اسلحہ درآمد کیا گیا۔ اس کے بعد لندن میں غیر ملکی طاقتوں کے نمائندوں سے مل کر اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بلیو پرنٹ تیار کیا گیا۔ اسی کا نام لندن پلان تھا جو ایک حقیقت تھی میں اُس وقت خود لندن میں تھا۔ اس پلان میں نیپ کے اعلیٰ قائدین کے علاوہ اُن غیر ملکی طاقتوں کے اعلیٰ نمائندے بھی موجود تھے جو پاکستان کو ختم کرنے کے لئے اسلحہ اور روپے کی مدد دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں نیپ کے جنگی اور اقتصادی ماہر بھی شریک تھے تاکہ اندازہ لگایا جا سکے کہ پاکستان سے علیحدہ ہو کر آزاد پختونستان کیسے کام کرے گا۔ اس پلان میں بلوچستان اور سرحد کی پاکستان سے علیحدگی کا ٹائم ٹیبل اور خاکہ بھی تیار کر لیا گیا تھا جس پر نیپ کی دونوں صوبائی حکومتیں اس وقت عمل پیرا ہیں۔ جب سرحد اور بلوچستان میں نیپ کی حکومتیں نہیں تھیں تو یہ اسلحہ چوری چھپے پہنچتا تھا مگر اب یہ خود ان حکومتوں کی معرفت مل رہا ہے اور حد یہ ہے کہ یہ اسلحہ پنجاب میں بھی نیپ کے کارکنوں کو مل رہا ہے۔ تاکہ گڑبڑ کے موقع پر وہ "پانچویں کالم" کا کام سرانجام دے سکیں۔ اس وقت غیر ملکی اسلحہ کے بڑے بڑے ذخائر اور ٹرانسمیٹر ملک میں موجود ہیں اور مجھے یہ علم ہے کہ یہ ذخیرے کہاں کہاں ہیں۔ اگر بلوچستان کی موجودہ حکومت مستعفی ہو جائے اور سپریم کورٹ کے جج کے ذریعے تحقیقات کرائی جائے اور میرے یہ الزامات غلط ثابت ہوں تو میں اس کے لئے تیار ہوں کہ مجھے عمر قید کی سزا دے دی جائے۔ عراقی سفارت خانہ سے برآمد ہونے والا اسلحہ اُس اسلحہ کا پانچ یا دس فیصد ہو گا جو پاکستان کو ختم کرنے کے لئے ایک غیر ملکی طاقت باہر سے بھیج رہی ہے۔ واضح رہے کہ بلوچستان کی خفیہ تنظیم کی طرح سرحد میں بھی خفیہ تنظیم موجود ہے جس کا نام پختون خفیہ تنظیم ہے۔ نیپ صرف اس کے کئے ہوئے فیصلوں اور اُس کی بنائی ہوئی پالیسیوں پر عمل کرتی ہے۔ میں بلوچ خفیہ تنظیم کا خزانچی رہا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ اسے روپیہ کہاں سے ملتا ہے۔ اور اسے کس کس مد میں اور کس کس طرح خرچ کیا جاتا ہے۔ میں گذشتہ سال جنوری کے مہینے میں خفیہ بلوچ تنظیم کے اجلاس میں آخری بار شریک ہوا تھا جس میں تنظیم نے فیصلہ کیا تھا کہ پاکستان کا وجود ختم ہو گیا ہے اور بنگلہ دیش بن جانے

کے بعد دنیا کی کوئی طاقت پختونستان بننے سے نہیں روک سکتی۔"

"میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں کبھی بھی نیشنل عوامی پارٹی کا ممبر نہیں رہا۔ ہم نے اپنے حقوقِ خود مختاری حاصل کرنے کے لئے خفیہ بلوچ تنظیم قائم کی تھی لیکن جب میں نے دیکھا کہ میرے ساتھیوں کے ارادے بدل گئے ہیں اور وہ خود مختاری کے علاوہ کچھ اور بھی چاہتے ہیں تو میرا ان سے اختلاف پیدا ہو گیا اور یہ اختلاف بڑھتا گیا۔ جیسا کہ میں نے ابھی ابھی بتایا ہے میں اس تنظیم کے اجلاس میں آخری مرتبہ جنوری ۱۹۷۱ء میں شریک ہوا تھا۔"

یہ ہے مربوط ملخص سردار بگٹی کی اس تقریر کا جو انہوں نے ۱۸ فروری کو لاہور کے پبلک جلسے میں کی۔ اس میں بہت سے امور تبصرہ طلب ہیں جن میں خود سردار بگٹی کی ذات بھی ہدفِ تنقید بن جاتی ہے۔ بالخصوص اس لئے کہ پاکستان کے متعلق ان کے خیالات اور ماضی میں ان کا سیاسی کردار جس کا انہوں نے اپنی تقریر میں خود اقرار اور اعلان کیا ہے، محلِ نظر ہیں۔ لیکن اس دوران میں ملک میں جو تغیرات رونما ہوئے ہیں اور جن کے ظہور پذیر ہونے کی مزید توقع ہے ان کے پیشِ نظر اس قسم کے تفصیلی جائزہ کے لئے یہ وقت موزوں نہیں۔ بنا بریں ہم صرف طائرانہ نگاہ سے اس کا عمومی جائزہ لیتے ہیں اور دو ایک نکات پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) سب سے پہلے یہ کہ اس تقریر کے لئے جو وقت منتخب کیا گیا وہ ہمارے نزدیک موزوں نہیں تھا۔ عراقی سفارتخانہ سے اسلحہ کی برآمدگی کے تشویش انگیز سانحہ کی بنا پر ساری قوم کی نگاہیں فطرتاً اس ایک نقطہ پر مرکوز ہو گئی تھیں کہ ملک کی سالمیت کے لئے کیا کرنا چاہیئے۔ اس قسم کی یک نگہی قوموں کے لئے بڑی نیک فال ہوتی ہے اور اگر اس سے صحیح طور پر فائدہ اٹھایا جائے تو یہ اکثر و بیشتر قوموں کی تاریخ کا رُخ موڑ دینے کا موجب بن جایا کرتی ہے لیکن عین ایسے وقت پر سردار بگٹی کی تقریر نے قوم کی اس یک نگہی کو ذہنی انتشار میں بدل دیا۔ انہوں نے بعض شخصیتوں پر شدید طور پر جو الزامات عائد کئے ہیں (اور جو بڑے ہی سنگین ہیں) ان کی تردید اور تائید میں چاروں طرف سے بیان بازی شروع ہو گئی اور عوام ان بیانات پر تبصروں میں مصروف ہو گئے۔ اس سے سفارتخانے کے اسلحہ کا واقعہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

دوسرے یہ کہ اس قسم کے اہم انکشافات (یا الزامات) کا مقام پبلک جلسہ نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ سردار بگٹی کو چاہیئے تھا کہ جو معلومات ان کے پاس تھیں، انہیں رازدارانہ طور پر حکومت تک پہنچا دیتے۔ اور اسے پھر حکومت کی صوابدید پر چھوڑ دیتے کہ وہ اس سلسلے میں کیا اقدامات مناسب سمجھتی ہے۔

(۲) سردار بگٹی نے اپنی تقریر میں اس کا بھی اعلان کیا ہے کہ وہ صدر بھٹو کے ساتھ ماسکو گئے۔ وہاں انہوں نے بہت کچھ دیکھا۔ اس کے بعد وہ وہاں سے لندن چلے گئے، جہاں "لندن پلان" کا واقعہ پیش آیا۔ ہمارا اندازہ یہ ہے کہ سردار بگٹی نے جن باتوں کا اب انکشاف کیا ہے، انہوں نے اس وقت صدر بھٹو کو ان سے آگاہ نہیں کیا ہو گا۔ اس لئے کہ اگر وہ انہیں یہ کچھ بتا دیتے تو وہ کبھی روس کا رُخ نہ کرتے۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ صدر بھٹو نے روس کے وزیرِ اعظم سے کہا تھا کہ

> ہم آپ سے ایک ہمسایہ اور دوست کی حیثیت سے مدد کے خواستگار ہیں۔ (پاکستان ٹائمز ۱۸ مارچ)

اور روس کے وزیرِ اعظم کوسیگن نے یہ جواب دیا تھا۔

> ہم نے بنگلہ دیش کے لاکھوں باشندوں کو موت سے بچانے کی امکان بھر کوشش کی ۔ ۔ ۔ ۔ اگر تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا تو ہم پھر وہی کچھ کریں گے جو ہم نے پہلے کیا ہے۔ اس لئے کہ ہمیں یقین

ہے کہ ہمارا وہ اقدام درست تھا"۔　　　(طلوع اسلام - اپریل ۱۹۷۱ء)

(۳) سردار بگٹی نے جو کچھ کہا ہے اس میں اتنی بات ہی نئی ہے کہ انہوں نے بعض امور اور بعض اشخاص کی متعین طور پر نشاندہی کی ہے۔ ورنہ جہاں تک اس سازش کا تعلق ہے اس کے متعلق مختلف اوقات پر انکشافات ہوتے رہے ہیں۔ مثلاً فروری ۱۹۷۲ء میں نواب شاہ کے پیپلز پارٹی کے ایک رہنما احمد نواز اعوان نے ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ نیشنل عوامی پارٹی سندھ کے آرگنائزنگ سیکرٹری جام ساقی نے کچھ عرصہ قبل بھارت اور دیگر غیر ممالک کی حکومتوں کو محضر نامہ بھیجا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ پاکستانی فوج سندھ کے لوگوں پر مظالم کر رہی ہے ہماری مدد کو پہنچے۔ انہوں نے کہا تھا کہ اس محضر نامہ پر ۲۰ ہزار افراد کے دستخط ہیں۔ (طلوع اسلام - مارچ ۱۹۷۲ء)

مارچ ۱۹۷۲ء ہی میں پیرزادہ عبدالحفیظ صاحب نے مدیران اخبارات کے نام ایک خط لکھا تھا جس میں کہا گیا تھا۔

> جو عناصر محب وطن نہیں۔ انہوں نے مشرقی پاکستان کے واقعات سے شہ پا کر مغربی پاکستان کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی تحریک تیز کر دی ہے۔ ان میں سے بعض عناصر کو بیرونِ ملک سے دولت اور راحت" موصول ہو رہی ہے۔　　　(طلوع اسلام - اپریل ۱۹۷۲ء)

امریکہ کے ہفتہ وار رسالہ ٹائم نے اپنی ۱۳ مارچ ۱۹۷۲ء کی اشاعت میں لکھا تھا کہ دسمبر ۱۹۷۱ء کے المیہ کے بعد سے روس کی مہیا کردہ آٹومیٹک رائفلیں افغانستان کے راستے سمگل ہو کر پاکستان پہنچ رہی ہیں۔ ازاں بعد روزنامہ امروز کی ۸ اپریل ۱۹۷۲ء کی اشاعت میں حسب ذیل خبر شائع ہوئی۔

> امریکی جریدہ نیوز ویک نے دعویٰ کیا ہے کہ نیشنل عوامی پارٹی اور اس کے حامیوں نے جو افغانستان کے پٹھان قبائل کے ساتھ مل کر پختونستان کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اسلحہ کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر رکھا ہے۔ ولی خان کی پارٹی کے پاس اپنا اسلحہ خانہ ہے جس میں بغیر لائسنس کے ۲۵ ہزار ہتھیار محفوظ ہیں کہا جاتا ہے کہ اس علاقے کے تقریباً ۷۵ فی صد قبائلی بھی مسلح ہیں۔ نیشنل عوامی پارٹی نے ہمالیہ کی وادی میں جدید اسلحہ کی فیکٹری قائم کر رکھی ہے جو مختلف قسم کے جدید اسلحہ تیار کرنے میں مصروف ہے۔　　　(طلوع اسلام - مئی ۱۹۷۲ء)

جون ۱۹۷۲ء میں خود صدر بھٹو نے ایک پریس کانفرنس میں فرمایا۔

> حکومت کے پاس ٹھوس ثبوت موجود ہے کہ بعض اشخاص بیرونی قوتوں کے ایجنٹ کے طور پر ملک میں خلفشار اور انتشار پھیلاتے رہتے ہیں۔ بعض ممالک پاکستان میں سازشیں کرانے کے لئے مصروف جدوجہد ہیں۔ ہمارے پاس اس امر کی شہادت موجود ہے لیکن میں ان ممالک کا نام نہیں لینا چاہتا۔
> (طلوع اسلام - بابت - اگست ۱۹۷۲ء)

واضح رہے کہ جس جلسے میں اکبر بگٹی صاحب نے تقریر کی تھی اس میں بلوچستان کونسل مسلم لیگ کے رہنما میر محمد مراد خان جمالی نے بھی عوام سے خطاب کیا تھا اس میں انہوں نے کہا تھا۔

> میں نے دو سال پہلے انکشاف کیا تھا کہ بلوچستان میں دھڑا دھڑ غیر ملکی اسلحہ اور گولہ بارود پہنچ رہا ہے۔ مگر اس طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی۔　　　(مشرق - ۲۳/۲/۱۹۷۳ء)

(ب) سردار بگٹی نے اپنی تقریر میں فرمایا ہے کہ لندن پلان، ایک حقیقت تھا اور وہ خود اس زمانے میں وہاں موجود تھے۔ اس پلان کے متعلق ستمبر/اکتوبر ۱۹۷۲ء میں پاکستان کے مختلف اخبارات میں بڑا چرچا ہوا تھا۔ ان میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ اس میں سندھ کی نمائندگی محمود ہارون، پنجاب کی نمائندگی غلام جیلانی اور بلوچستان کی نمائندگی سردار بگٹی کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں حکومت کی طرف سے حسبِ ذیل وضاحت شائع ہوئی تھی۔

> اس وقت لندن میں نیشنل عوامی پارٹی کے سربراہ خان عبدالولی خان، وزیر اعلیٰ بلوچستان سردار عطاء اللہ مینگل اور بلوچستان کے وزیر خزانہ مسٹر احمد نواز بگٹی کی بیک وقت موجودگی پر پاکستان میں اور بیرون پاکستان بھی خاص قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں، اور یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ تینوں لیڈر حکومت پاکستان کے ایما سے آئے ہیں اور وہ یورپ میں کسی جگہ شیخ مجیب الرحمٰن سے ملاقات کریں گے۔ دریں اثنا حکومتِ پاکستان نے پر زور تردید کی ہے کہ یہ تینوں اصحاب یا کوئی اور پاکستانی شخصیت حکومتِ پاکستان کے ایما سے شیخ مجیب سے ملنے کے لئے یورپ گئی ہیں۔ خان ولی خان اور سردار عطاء اللہ خان مینگل نے اپنے عزم برطانیہ کی وجہ طبّی علاج بتائی تھی۔ اور مسٹر احمد نواز بگٹی چھٹی پر برطانیہ گئے تھے۔ حکومت انہیں بیرونی ملک جانے سے آخر کیونکر روک سکتی تھی اور اس طرح حکومت ان کی ایسی سرگرمیوں کی ہرگز ذمہ دار نہیں ہے جس کا وہ اپنے قیام یورپ کے دوران مظاہرہ کریں۔
>
> (طلوعِ اسلام۔ اکتوبر ۱۹۷۲ء)

اس پلان کے کئی دنوں تک خوب خوب چرچے ہوتے رہے۔ مرکزی وزیر اطلاعات نے اپنی تقاریر میں قوم کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔ ریڈیو اور ٹی۔ وی پر اس سلسلہ میں مذاکرات بھی ہوئے لیکن اس کے بعد انہی وزیر اطلاعات نے ایوانِ اسمبلی میں یکایک اعلان کر دیا کہ ہدایات جاری کر دی گئی ہیں کہ اس پلان کا کوئی تذکرہ نہ کیا جائے اور مرکزی وزیر قانون نے فرمایا کہ انہیں صدر بھٹو نے تاکید کر دی ہے کہ اس کے متعلق گفتگو ختم کر دی جائے۔ (طلوعِ اسلام۔ اکتوبر ۱۹۷۲ء)

اسی پلان کے متعلق اکبر بگٹی صاحب نے اب بتایا ہے کہ یہ ایک حقیقت تھی۔ اور کہا ہے کہ

> افسوس کہ پاکستانی اخبارات میں چند روز تک اس پلان کا ذکر ہوتا رہا اور اس کے بعد اس کے بارے میں کوئی آواز نہ سنی گئی۔ یہ اخبارات کا فرض تھا کہ وہ عوام کو بتاتے کہ اس پلان کے ذریعے غیر ملکی طاقتوں نے پاکستان ختم کرنے کی منظوری دے دی ہے۔
>
> (مشرق۔ بابت ۱۲ مارچ)

(۰)

ہم سر دست اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور اس کے ساتھ اتنا گزارش کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ:۔

(۱) یہ اشد ضروری ہے کہ ایک اعلیٰ سطح کا ٹریبونل بلا تاخیر مقرر کیا جائے اور یہ سارا معاملہ بغرضِ تحقیق اس کی تحویل میں دے دیا جائے۔ سردار بگٹی نے اپنی تقریر میں کہا ہے کہ انہیں معلوم ہے کہ سمگل شدہ اسلحہ اس وقت کہاں کہاں موجود ہے اور گوریلوں کے تربیتی کیمپ کہاں ہیں۔ ان کی ان معلومات کی روشنی میں ٹریبونل کے لئے تحقیق و تفتیش بڑی آسان ہو جائے گی۔ اس ٹریبونل کے سلسلے میں یہ بھی ضروری ہے کہ ٹریبونل کی کارروائی سے پبلک کو

ساتھ کے ساتھ آگاہ کیا جاتا ہے تاکہ تخریبی عناصر کو افواہیں پھیلانے کا موقع نہ ملے۔ مجیب کے مقدمے اور یحییٰ خان کے متعلق تحقیقاتی کمیشن آج تک مختلف افواہوں کے موضوع بنے ہوئے ہیں اور ظاہر ہے کہ افواہیں ملکوں کو کھوکھلا کر دیا کرتی ہیں۔

(۲) حکومت نے بلوچستان اور سرحد کے گورنروں کو برخاست کر دیا ہے۔ بلوچستان کی حکومت کو بھی معطل کر دیا ہے اور سرحد کی حکومت نے از خود استعفیٰ دے دیا ہے اسلئے ان صوبوں میں نظم و نسق ایک نئی شکل اختیار کریگا۔ اس سلسلہ میں ہم مرکزی حکومت کی خدمت میں گزارش کریں گے کہ وہ ملک کے ایسے قابلِ اعتماد، تجربہ کار، دیانتدار اربابِ فکر و نظر کا انتخاب کرے جن کا تعلق کسی سیاسی پارٹی سے نہ ہو۔ ان پر مشتمل ایک مجلسِ مشاورت قائم کرے جو امورِ مملکت کی سرانجام دہی میں صدرِ مملکت کی معاونت کرے۔ ملک میں ایسے حضرات کی کمی نہیں۔

(۳) اور عوام کی خدمت میں ہم گزارش کریں گے کہ ملک پر نازک ترین گھڑی آچکی ہے۔ ان حالات میں عوام کے لئے ضروری ہے کہ حالات کچھ بھی ہوں وہ کسی قیمت پر بھی نہ فسادات برپا کریں نہ فسادات برپا ہونے دیں، اور اس طرح تخریب پسند عناصر کے مذموم عزائم کو ناکام بنا دیں۔ اس وقت سوال ملک کی سالمیت کا ہے۔ جو بھی ان حالات میں ملک میں امن و امان قائم رکھے گا وہی قوم کا محسن ہوگا۔

پرچہ پریس میں جا رہا ہے۔ اس وقت ہم اس دعا کے ساتھ اجازت چاہتے ہیں کہ خدا ہم سب کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

(تحریر فرمودہ ۱۸ فروری ۷۳ء)

آئینِ پاکستان کے متعلق ہماری تجاویز کا خلاصہ

(۱) ملک میں صوبوں کو ختم کر کے وحدانی انداز کی حکومت قائم کی جائے اور سابقہ ون یونٹ کے دوران دور دراز علاقوں میں رہنے والے عوام کو جو انتظامی دشواریاں پیش آتی تھیں، انتظامی مشینری میں ضروری تبدیلیاں کر کے ان دشواریوں کو دور کر دیا جائے۔

(۲) آئین میں یہ شق رکھی جائے کہ وحدتِ قومیت اور نظریۂ پاکستان (جو اسلام ہی کا دوسرا نام ہے) کے خلاف کچھ کہنا یا لکھنا جرمِ بغاوت قرار دیا جائے گا۔

(۳) اسلامک کونسل کے بجائے ایک اسلامک لاء کمیشن مقرر کیا جائے جس سے کہا جائے کہ وہ ملک کے موجودہ قوانین کا قرآن کریم کی روشنی میں جائزہ لے کر بتائے کہ ان میں سے کون کون سے قوانین قرآن کے خلاف ہیں۔ آئندہ بھی جو قانون مرتب کرنا مقصود ہو اس کے متعلق اس سے مشورہ کیا جائے۔ نیز ملک کے ہر مسلمان کو اس کا حق ہونا چاہیئے کہ وہ جس قانون کے متعلق سمجھے کہ وہ قرآن کے خلاف ہے اس کے لئے عدالت کی طرف رجوع کر سکے۔

(۴) آئین کے اندر یہ شق رکھی جائے کہ ملک کے تمام باشندوں کی بنیادی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچانا حکومت کی ذمہ داری ہے جس کے پورا کرنے کے لئے عدالت کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ اس آئینی ذمہ داری کے بعد حکومت کسی کی زائد از ضرورت املاک کو اپنے قبضہ میں لے سکتی ہے۔ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے تدریجی پروگرام مرتب کیا جا سکتا ہے۔

(۵) نصابِ تعلیم کو از سرِ نو مرتب کرنے کے لئے ایک اعلیٰ سطح کا کمیشن مقرر کیا جائے جو یہ دیکھے کہ طالب علموں کو جو کچھ پڑھایا جائے اس میں کوئی بات کسی جہت سے قرآن مجید کی تعلیم کے خلاف نہ ہو۔

سرِ دست ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

والسلام

(۱۰)

مسوّدہ آئینِ پاکستان اور علمائے کرام

آئینِ پاکستان کا مسودہ مجلس آئین ساز میں ۲ فروری کو پیش کیا گیا۔ اس کے بعد مجلس کا اجلاس ۱۷ فروری تک ملتوی کر دیا گیا۔ جب دوبارہ اجلاس شروع ہوگا تو اس پر بحث و تمحیص شروع ہو جائے گی لیکن اس وقت تک ہمارا موجودہ پرچہ مرتب ہو چکا ہوگا۔ اس لئے اس میں گنجائش نہیں ہوگی کہ مجلس کی کارگذاری کا کوئی جائزہ لیا جا سکے۔

مجلسِ دستور ساز میں مسودہ کے پیش کئے جانے سے پہلے حکومت نے حزبِ مخالف کے اُن حضرات کو ریڈیو اور ٹیلیویژن پر اپنے خیالات کے اظہار کی دعوت دی جنہوں نے آئینی سمجھوتے پر دستخط کرنے کے بعد اپنے اختلافی نوٹ لکھے۔ ان حضرات میں سے جو لوگ ریڈیو اور ٹیلیویژن پر تشریف لائے ان میں سے تین طبقہ علمائے کرام کے نمائندے تھے۔ یعنی پروفیسر غفور احمد صاحب (جماعتِ اسلامی) مولانا شاہ احمد نورانی (جمعیت علمائے پاکستان) اور مفتی محمود صاحب ... (جمعیت علمائے اسلام)۔ ان تینوں حضرات نے دو ایسے اعتراض پیش کئے۔ بلکہ یوں کہئے کہ ایسے مطالبے پیش کئے جن کا نوٹس لینا نہایت ضروری ہے اور اسی غرض سے یہ سطور سپردِ قلم کی جا رہی ہیں۔ ان میں سے پہلا مطالبہ یہ تھا کہ مجوزہ اسلامک کونسل کو ایسا با اختیار اور مؤثر ادارہ بنایا جائے کہ اس کے ہر مشورہ کی پابندی مجلس قانون ساز پر لازم ہو۔ یہ اجمال ذرا وضاحت کا محتاج ہے۔

مسودہ دستور میں کہا گیا ہے کہ :-

(۱) ملک کا کوئی قانون کتاب و سنت کے خلاف نہیں ہوگا۔

(۲) جملہ رائج الوقت قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق وضع کیا جائے گا

(۳) ایک اسلامی کونسل تشکیل کی جائے گی جکومت اپنی صوابدید کے مطابق اس کونسل سے مشورہ طلب کرے گی کہ مجوزہ قانون کتاب و سنت کے مطابق ہے یا نہیں!

(۴) کونسل کا کام صرف مشورہ دینا ہوگا۔

اس سے ظاہر ہے کہ ملک کے لئے قانون سازی کا آخری اختیار ملک کی نمائندہ جماعت (مجلس قانون ساز) کو حاصل ہوگا۔ لیکن ان مولوی صاحبان کا مطالبہ یہ ہے کہ یہ آخری اختیار اسلامی کونسل کو حاصل ہو جس قانون کے متعلق وہ کہہ دے کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق ہے اُسے یہ پارلیمان منظور کر دے اور جس کے متعلق وہ فیصلہ دے کہ وہ کتاب و سنت کے خلاف ہے اُسے وہ پارلیمنٹ ملک کا قانون نہ بنا سکے۔ واضح رہے کہ یہ اسلامی کونسل ملک کے منتخب شدہ نمائندوں پر مشتمل نہیں ہوگی، صدر کے نامزد کردہ ارکان پر مشتمل ہوگی۔ یہ حضرات جمہوریت اور شورائیت کے الفاظ دہراتے تھکتے

نہیں بلکہ مطالبہ ان کا یہ ہے کہ ملک کی قانون سازی جمہوری یا شورائی طریق سے نہ ہو بلکہ ایک نامزد کردہ کونسل کی رہین منت ہو۔ اصل یہ ہے کہ یہ حضرات نہ جمہوریت چاہتے ہیں نہ شورائیت۔ یہ اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں جسے تھیاکریسی کہا جاتا ہے۔ ان میں اتنی جرأت تو نہیں کہ کھلے بندوں اس کا اعلان یا مطالبہ کریں۔ یہ ان پیچ پیچ راستوں سے اس منزل تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ کونسل کے اراکین کے متعلق مسودۂ آئین میں کہا گیا ہے کہ وہ ایسے حضرات ہوں گے جنہیں قرآن پاک اور سنت کے متعینہ اسلامی اصولوں اور فلسفے کا علم ہو یا پاکستان کے اقتصادی، سیاسی، قانونی اور انتظامی مسائل کا فہم و ادراک حاصل ہو۔ اس تجویز کی رُو سے ظاہر ہے کہ اس کونسل میں غالب اکثریت علما حضرات ہی کی ہوگی کیونکہ یہ اپنے دائرے سے باہر کسی کے متعلق یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے کہ اُسے کتاب و سنت کا فہم و ادراک حاصل ہو سکتا ہے۔ پھر مسودے میں یہ شق بھی درج ہے کہ کونسل اپنی اکثریت سے کسی رکن کی برطرفی کی قرارداد منظور کر سکتی ہے۔ اس شق کی رُو سے ظاہر ہے کہ غیر از علمائے کرام "میں سے وہی لوگ کونسل کے رکن رہ سکیں گے جو ان علماء کی مرضی کے مطابق چلیں ۔۔۔ یہ ہوگی وہ کونسل جس کے متعلق مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ اُسے ملک کی قانون سازی کا آخری اختیار حاصل ہوگا۔ جب کسی ملک کی قانون سازی کے اختیارات مولوی صاحبان کے ہاتھ میں چلے جائیں تو اُس ملک کا جو حشر ہو سکتا ہے، اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ باقی رہی ان حضرات کی اس قسم کے فیصلے کرنے کی صلاحیت کہ فلاں معاملہ کتاب و سنت کے مطابق ہے یا نہیں، اس کا اندازہ اس ایک چھوٹے سے واقعہ سے لگائیے کہ اگلے دنوں مفتی محمود صاحب نے صوبہ سرحد کے وزیرِ اعظم کی حیثیت سے یہ تجویز کیا کہ ایک آرڈیننس جاری کیا جائے جس کی رُو سے حکومت جس کی بھی املاک چاہے بلا معاوضہ اپنے قبضے میں لے سکے سوال کرنے پر انہوں نے کہا کہ یہ آرڈیننس اسلام کے عین مطابق ہے۔ اس کے دوسرے ہی تیسرے روز بعد اہی مفتی صاحب کی جمعیت کی مجلس شوریٰ نے جس میں خود مفتی صاحب بھی تشریف فرما تھے یہ ریزولیوشن پاس کیا کہ مجوزہ آرڈیننس اسلام کے یکسر خلاف ہے۔ اس کے بعد یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس مجوزہ آرڈیننس کا کیا حشر ہوا۔

ملک میں تھیاکریسی قائم کرنے کی کوشش کوئی نئی بات نہیں۔ مملکتِ پاکستان کی تشکیل کے فوری بعد جب آئین سازی کا مسئلہ زیرِ غور آیا تو اس کے لئے بنیادی اصول وضع کرنے کی غرض سے ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی جو بیشتر انہی حضرات پر مشتمل تھی۔ اس کمیٹی نے بھی یہ تجویز کیا تھا کہ ایک مجلس قائم کی جائے جو یہ فیصلہ کرے کہ کوئی قانون کتاب و سنت کے مطابق ہے یا نہیں۔ اس بظاہر معصوم سی تجویز کی تہہ میں جو عظیم خطرہ پنہاں تھا غنیمت ہے کہ اُسے اسی زمانہ میں بھانپ لیا گیا اور اس اسمبلی کے ساتھ ہی یہ تجویز بھی غتر ربود ہو گئی۔ اسلامی مشاورتی کونسل کا وجود تو اس سے پہلے آئین میں بھی موجود تھا لیکن کونسل کی حیثیت مشاورتی تھی۔ زیرِ نظر مسودہ میں بھی اس کی یہی حیثیت رکھی گئی ہے۔ لیکن ان مولوی صاحبان کی تجویز یہ ہے کہ اسے (SOVEREIGN BODY) قرار دیا جائے۔ ہمیں امید ہے کہ مجلس آئین ساز اس خطرے کے پیشِ نظر جو اس تجویز میں پنہاں ہے اسے آگے نہیں بڑھنے دیگی۔

جیسا کہ ہم نے طلوعِ اسلام کی اشاعت بابت ماہ فروری ۱۹۷۳ء میں لکھا تھا کہ آئین میں یہ شق ہونی چاہیئے کہ ملک کے ہر مسلم باشندے کو اس کا حق ہوگا کہ وہ اس امر کے فیصلے کے لئے کہ کوئی قانون کتاب و سنت کے مطابق ہے یا نہیں، عدالت کی طرف رجوع کر سکے اور سپریم کورٹ ان معاملات میں آخری فیصلہ دینے کی مجاز ہو۔

کتاب و سنت کے مطابق قانون سازی کی تجاویز کے سلسلے میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ محض مسودۂ قانون پر تبصرہ کی حیثیت رکھتا ہے ورنہ جیسا کہ ہم برسوں سے لکھتے چلے آ رہے ہیں اور جس کا اعتراف خود مودودی صاحب کو بھی کرنا پڑا، کتاب و سنت کے مطابق کوئی ایسا ضابطۂ قوانین بن ہی نہیں سکے گا جسے مسلمانوں کے مختلف فرقے متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کریں۔ آئین میں اس قسم کی شقوں کے درج کرنے سے دوہرا فائدہ حاصل ہو جاتا ہے۔ "اسلام کے مدعی" اپنے ووٹروں کو یہ کہہ کر خوش کر دیتے ہیں کہ ہم نے مملکت کو اسلامی بنا دیا اور جو لوگ اسلامی قوانین چاہتے ہی نہیں وہ مطمئن رہتے ہیں کہ "نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی"۔ نہ اس سے پہلے قرآن و سنت کی روشنی میں کوئی متفق علیہ ضابطہ قانون بن سکا ہے نہ آئندہ بن سکے گا۔

یاد رکھئے اسلامی قانون کا ضابطہ صرف اسی صورت میں مرتب ہو سکے گا کہ قرآن کریم کی غیر متبدل حدود کے اندر رہتے ہوئے اُمت کے نمائندے باہمی مشورے سے اپنے زمانے کے تقاضوں اور قوم کی ضرورتوں کے مطابق قوانین وضع کریں۔

ان حضرات کا دوسرا مطالبہ پہلے سے بھی زیادہ سنگین اور خطرناک ہے۔ مسودۂ آئین کے بنیادی حقوق کی فہرست میں یہ شق بھی درج ہے کہ مملکت پاکستان میں ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ یہ شق نہ تو نئی ہے اور نہ ہی پاکستان تک محدود و مخصوص۔ یہ یہاں بھی ہر آئین میں شامل رہی ہے اور اقوام متحدہ کے چارٹر کی بنیادی شق کی حیثیت سے قریب قریب ہر مملکت کے آئین میں داخل ہے۔ مذہبی آزادی قرآن کریم کے بنیادی اصولوں کے مطابق ہے اور اس نے نہایت واضح اور غیر مبہم الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (۲۵۶/۲) دین کے معاملہ میں کسی قسم کا جبر نہیں۔ جس کا جی چاہے اسے اختیار کرے، جس کا جی چاہے اس سے انکار کر دے (۲۹/۱۸)۔ قرآن کریم میں اس مضمون کی بے شمار آیات ہیں۔ ہم یہاں ان کا اعادہ ضروری نہیں سمجھتے۔ اس لئے بھی کہ اس موضوع پر ہم متعدد بار بڑی تفصیل سے لکھ چکے ہیں اور ایک کتابچہ بھی شائع کر چکے ہیں جس کا عنوان ہے۔ "دو اہم مسائل۔ قتل مرتد اور غلام اور لونڈیاں"۔

ان مولوی صاحبان نے اپنے انٹرویو میں یہ الزام لگایا کہ حزب اقتدار نے اُس سمجھوتے کی صریح خلاف ورزی کی ہے جو اُن کے اور حزب مخالف کے نمائندوں کے درمیان ۲۰ اکتوبر کو طے پایا تھا۔ انٹرویو کرنے والے نے کہا کہ آپ اس کی کوئی مثال دیجئے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ سب سے نمایاں مثال یہ ہے کہ سمجھوتے میں طے پایا تھا کہ ملک کا کوئی قانون کتاب و سنت کے خلاف نہیں ہوگا اور مسودہ آئین میں یہ لکھا گیا ہے کہ ہر شخص کو مذہبی آزادی ہوگی۔ یہ چیز کتاب و سنت کے خلاف ہے۔ شریعت حقہ کی رو سے کسی مسلمان کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کر لے۔ پوچھنے والے نے پوچھا کہ اگر کوئی مسلمان ایسا کرے تو پھر کیا ہوگا۔ جواب دیا گیا کہ وہ مرتد ہو جائے گا اور مرتد کی سزا قتل ہے۔ یعنی اُسے قتل کر دیا جائے گا۔

قتلِ مرتد کا سوال یہاں خاص طور پر مودودی صاحب نے اٹھایا تھا اور اس ضمن میں انہوں نے ایک کتابچہ بھی شائع کیا تھا جس کا عنوان تھا "مرتد کی سزا"۔ ہم نے اپنے جس کتابچہ کا اوپر ذکر کیا ہے اس کا پہلا حصہ مودودی صاحب کے اسی کتابچہ کے جواب میں تھا۔ انہوں نے اپنے مسلک کی تائید میں کس قسم کے دلائل دیئے تھے، ان میں سے ایک دلیل یہاں بطور نمونہ درج کی جاتی ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (دین کے معاملہ میں کسی قسم کا

جبر نہیں) قرآن کی واضح آیت ہے۔ اس کی موجودگی میں قطعاً سمجھ میں نہیں آسکتا کہ اسلام کی رُو سے مذہب کے معاملے میں جبر کس طرح جائز قرار پا سکتا ہے لیکن دیکھئے مودودی صاحب اس باب میں کیا فرماتے ہیں۔ انہوں نے اپنے کتابچہ میں لکھا تھا۔

> لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ کے معنی یہ ہیں کہ ہم کسی کو اپنے دین میں آنے کے لئے مجبور نہیں کرتے۔ اور واقعی ہماری روش یہی ہے۔ مگر جسے آکر واپس جانا ہو اسے ہم پہلے ہی خبردار کر دیتے ہیں، کہ دروازہ آمد و رفت کے لئے کھلا ہوا نہیں ہے۔ لہٰذا اگر آتے ہو تو یہ فیصلہ کر کے آؤ کہ واپس نہیں جانا ہے۔ ورنہ براہ کرم آؤ ہی نہیں۔ (صے ۵۳)

اس مضحکہ انگیز دلیل کے خلاف یہ اعتراض بھی پیدا ہوا کہ جو غیر مسلم اسلام میں داخل ہونا چاہے اُسے تو آپ یہ وارننگ دے دیں گے اور اس کے بعد اُس کا جی چاہے گا تو مسلمان ہو جائے گا اور اگر اپنی آزادی برقرار رکھنا چاہے تو اس (ONE-WAY TRAFFIC) کی سڑک پر قدم ہی نہیں رکھے گا لیکن جو لوگ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوں گے۔ پیدائشی مسلمان ہوں گے اُن کی صورت میں کیا ہوگا۔ انہیں تو اس قسم کی کوئی وارننگ نہیں دی گئی تھی۔ مودودی صاحب نے اس مشکل کا جو حل بتایا اُسے ہم ذرا آگے چل کر سامنے لائیں گے۔

قبل اس کے کہ ہم ان مولوی حضرات کے اس مطالبہ کا مزید جائزہ لیں ضمناً ایک دلچسپ بات سامنے آتی ہے۔ اس وقت ملک میں پارٹیز ایکٹ رائج ہے۔ اس ایکٹ کا عملی مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی پارٹی کے ٹکٹ پر منتخب ہو کر اسمبلی کا ممبر بنا ہو تو وہ اپنی پارٹی کو چھوڑ کر کسی دوسری پارٹی میں شامل نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ اپنی پارٹی کو چھوڑے گا تو اُسے اپنی نشست بھی خالی کرنی پڑے گی اور اُسے دوبارہ حاصل کرنے کے لئے از سرِ نو انتخاب لڑنا ہوگا۔ یہ حضرات انتہائی کوشش کر رہے ہیں کہ اس ایکٹ کو منسوخ کر دیا جائے۔ دلیل اُن کی یہ ہے کہ اس ایکٹ کی رُو سے ممبروں کے ضمیر کی آواز کو کچلا جاتا ہے اور ان کے اختیار کو سلب کیا جاتا ہے۔ کسی کی آزادی کو سلب کرنا، سراسر اسلام کے خلاف ہے۔ یعنی کسی ممبر کو اُس کی مرضی کے خلاف پارٹی کے اندر رہنے پر مجبور کرنا تو اسلام اور معقولیت کے خلاف ہے لیکن کسی کو اُس کی مرضی کے خلاف مجبوراً ایک خاص مذہب کا پابند رکھنا نہ اسلام کے خلاف ہے نہ معقولیت کے منافی!

٭ مرتد کی سزا قتل نہ کہ یہی معنی نہیں کہ ایک مسلمان اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب اختیار کرے تو اُسے مرتد کہا جائیگا۔ مولوی صاحبان جس شخص کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر کر دیں وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہو جاتا ہے اور ان کی شریعت کی رُو سے اُس کی سزا بھی موت ہے۔ آیئے، ہم آپ کو بتائیں کہ ان حضرات کے اس فیصلے کی رُو سے پاکستان میں کوئی مسلمان ایسا بھی باقی رہے گا جو واجب القتل قرار نہ پا جائے۔ ظاہر ہے کہ (بجز معدودے چند) ہر مسلمان کسی نہ کسی فرقے سے متعلق ہوتا ہے اور پاکستان میں کوئی فرقہ ایسا نہیں جسے دوسرے فرقے نے کافر نہ قرار دے دیا ہو۔ ان کی کفر سازی کی یہ داستان بڑی دلچسپ ہے۔ ذرا توجہ سے سنیئے۔

اس وقت پاکستان میں جو بڑے بڑے فرقے بستے ہیں، وہ حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) شیعہ اور اہل سنت والجماعت۔

(۲) اہل سنت والجماعت، پھر دو بڑے بڑے فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں، غیر مقلد (جنہیں عام طور پر اہلحدیث

کہا جاتا ہے) اور مقلد (جنہیں عام طور پر حنفی کہا جاتا ہے)۔

(۳) مقلد پھر دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ دیوبندی اور بریلوی۔ اب دیکھئے کہ یہ فرقے کس طرح آپس میں ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں۔

اہل سنت کی طرف سے شیعہ پر کفر کا فتویٰ

فرقۂ امامیہ منکرِ خلافتِ حضرت صدیق ؓ اند و در کتب فقہ مذکور است کہ ہر کہ انکار خلافت حضرت صدیق ؓ نماید منکر اجماع قطعی گشت و کافر شد پس درحق ایشاں حکم کافر جاری است و رافضی واجب القتل است۔

(ترجمہ) اس میں شبہ نہیں کہ فرقہ امامیہ (شیعہ) صدیق اکبر ؓ کی خلافت کے منکر ہیں۔ اور کتب فقہ میں لکھا ہے کہ جو حضرت صدیق اکبر ؓ کی خلافت کا انکار کرے وہ اجماع کا منکر اور کافر ہو جاتا ہے۔ اس سے کفار کا سا ہی معاملہ کرنا چاہیئے۔ رافضی واجب القتل ہیں۔

(ردتبرا صفحہ ۳۰۔ فتاویٰ عزیزی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی صفحہ ۱۹۲-۱۹۱)

پھر شیعوں اور سنیوں کے درمیان رشتہ ناطہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

در مذہب حنفی موافق روایات مفتی بہ حکم فرقہ شیعہ حکم مرتداں است۔ چنانچہ در فتاویٰ عالمگیری مرقوم است پس نکاح کردن از زن کہ ازیں فرقہ باشد درست نیست۔ و در مذہب شافعی دو قول است۔ بر یک قول کافر اند و بقول دیگر فاسق۔

یعنی شیعہ فرقہ کی عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ مذہب شافعی میں شیعوں کے متعلق دو قول ہیں۔ ایک قول کے مطابق وہ کافر ہیں۔ دوسرے قول کے مطابق فاسق۔

یعنی امت کے دو بڑے فرقوں میں سے ایک فرقہ یوں گیا۔ اب دوسرے فرقے کے متعلق دیکھئے۔

شیعہ کا فتوےٰ اہل سنت بلکہ تمام دوسرے مسلمانوں پر

سوائے فرقہ اثنا عشریہ امامیہ کسے ناجی نیست۔ کشتہ شود و خواہ بموت میرد۔

(ترجمہ) سوائے فرقہ امامیہ، اثنا عشریہ، کوئی بھی جنتی نہیں۔ خواہ وہ قتل ہو جائے یا اپنی موت مرے۔

(حدیقۃ الشہداء صفحہ ۶۵)

شیعہ اور غیر شیعہ کا معاملہ یوں صاف ہو گیا۔ اب سنیوں کی طرف آیئے۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں، ان میں دو بڑے فرقے ہیں۔ مقلد اور غیر مقلد ہیں۔ مقلدین کو عام طور پر حنفی یا اہل سنت کہا جاتا ہے اور غیر مقلدین کو اہل حدیث۔

غیر مقلدین پر اہل سنت کا فتویٰ

(۱) فرقہ غیر مقلدین جن کی علامت ظاہری اس ملک میں آمین بالجہر۔ رفع الیدین اور نماز میں ہاتھ سینے پر باندھنا اور امام کے پیچھے الحمد پڑھنا ہے اہل سنت سے خارج ہیں اور مثل دیگر فرق ضالہ، رافضی و خارجی وغیرہ کے ہیں۔ کیونکہ ان کے بہت سے عقاید و مسائل مخالف اہل سنت کے ہیں، ان کے پیچھے نماز درست نہیں۔ ان سے مخالطت و مجالست کرنا۔ اور ان کو اپنی خوشی سے مسجد میں آنے دینا شرعاً ممنوع ہے۔

(اس کے نیچے قریب ستر علماء کی مہریں ثبت ہیں)

بحوالہ جامع الشواہد فی اخراج الوہابین عن المساجد۔ صفحہ ۸

(۲) پس تقلید کو حرام اور مقلدین کو مشرک کہنے والا شرعاً کافر بلکہ مرتد ہوا۔

(انتظام المساجد باخراج اہل فتن عن المساجد)

(۳) علماء اور مفتیان وقت پر لازم ہے کہ بمجرد مسموع ہونے ایسے امر کے، اس کے کفر وارتداد کے فتوے دینے میں تردد نہ کریں، ورنہ زمرۂ مرتدین میں یہ بھی شامل ہوں گے۔ (ایضاً)

(۴) مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے غیر مقلدین کے تمام گروہوں کے نام بنام عقاید لکھ کر فتوے لکھا ہے کہ یہ طائفے سب کے سب کافر ومرتد ہیں۔ اور جو ان کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔

(کتاب حسام الحرمین)

مقلدین کے خلاف غیر مقلدین کا فتوے

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع مبین اس امر میں کہ یہ گروہ مقلدین جو ایک ہی امام کی تقلید کرتے ہیں، اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں یا نہیں اور ان کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں اور ان کو اپنی مسجد میں آنے دینا اور ان کے ساتھ مخالطت اور مجالست جائز ہے یا نہیں۔

جواب:۔ بے شک نماز ایسے مقلدین کے پیچھے جائز نہیں ہوگی کہ ان لوگوں کے عقاید اور اعمال مخالف اہل سنت والجماعت ہیں۔ بلکہ بعض عقیدہ اور عمل موجب شرک اور بعض مفسد نماز ہیں۔ ایسے مقلدوں کو مسجد میں آنے دینا شرعاً درست نہیں۔

اس کے نیچے (۱۹) مولوی صاحبان کی مہریں ثبت ہیں۔

(بحوالہ کتاب مجموعہ فتاوے صفحہ ۵۵-۵۴)

(۲) نواب صدیق حسن خاں صاحب (مرحوم) فرماتے ہیں:۔

مقلدین پر اطلاق لفظ مشرکین کا۔ تقلید پر اطلاق لفظ شرک کا کیا جاتا ہے۔ دنیا میں آجکل اکثر لوگ مقلد پیشہ ہیں۔ وما یؤمن اکثرھم الا وھم مشرکون۔ یہ آیت ان پر خوبی صادق ہے۔

(اقتراب الساعۃ۔ صفحہ ۱۶)

صرف حنفی نہیں بلکہ سب کے سب

چاروں اماموں کے پیرو اور چاروں طریقوں کے متبع یعنی حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی اور چشتیہ، قادریہ نقشبندیہ، مجددیہ سب لوگ کافر ہیں۔ (جامع الشواہد صفحہ ۲)

دیوبندیوں کے خلاف تین سو علماء کا فتویٰ

(۱) یہ دیوبندیہ اپنی تمام عبادتوں میں، تمام اولیاء، انبیاء، حتیٰ کہ حضرت سید الاولین والآخرین (صلعم) اور خاص ذات باری تعالےٰ کی اہانت اور ہتک کرنے کی وجہ سے قطعاً مرتد اور کافر ہیں اور ان کا ارتداد اور کفر سخت سے سخت درجہ تک پہنچ چکا ہے۔ ایسا کہ جو ان مرتدوں اور کافروں کے ارتداد وکفر

ہیں ذرا بھی شک کرے مرتد اور کافر ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان سے بالکل ہی محترز اور مجتنب رہیں۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا تو ذکر ہی کیا ہے، اپنے پیچھے بھی ان کو نماز نہ پڑھنے دیں اور نہ ہی مسجدوں میں گھسنے دیں۔ نہ ان کا ذبیحہ کھائیں۔ نہ ان کی شادی غمی میں شریک ہوں۔ نہ اپنے پاس ان کو آنے دیں۔ یہ بیمار ہوں تو عیادت کو نہ جائیں۔ مریں تو گاڑنے توپنے میں شریک نہ کریں۔ مسلمانوں کے قبرستان میں جگہ نہ دیں۔ غرض ان سے بالکل احتیاط و اجتناب رکھیں۔ (دیکھو تین سو علماء کا متفقہ فتویٰ۔)

(اشتہار محمد ابراہیم بھاگلپوری)

دیوبندیوں کو اقلیت قرار دیا جائے

مارچ ۱۹۵۳ء میں، کراچی کے در و دیوار پر ایک اشتہار چسپاں کیا گیا تھا جس کا عنوان تھا۔

مطالبات

فرقہ دیوبندیہ کو علیحدہ اقلیتی فرقہ تسلیم کیا جائے۔

اس اشتہار میں منجملہ دیگر امور لکھا تھا کہ:

جس طرح سکھ ہندوؤں سے نکلے لیکن ہندو نہیں ہیں۔ یا انگلینڈ کے پراٹسٹنٹ رومن کیتھولک سے نکلے، مگر رومن نہیں۔ اسی طرح دیوبندی فرقہ اہل سنت والجماعت سے نکلا مگر اہل سنت والجماعت نہیں۔ اقلیتی فرقہ دیوبندیہ کے نمائندگان خصوصی۔ مفتی محمد شفیع صاحب۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی۔ مولانا احتشام الحق صاحب۔ مسٹر ابوالاعلیٰ مودودی وغیرہم ہیں۔

اس کے بعد مطالبہ پیش کیا گیا تھا کہ اس فرقہ کو اقلیت تسلیم کیا جائے۔ اس اشتہار کے نیچے ۲۸ حضرات کے دستخط تھے۔

(طلوع اسلام مئی ۱۹۵۳ء، صفحہ ۴۴)

بریلویوں کے خلاف دیوبندیوں کا فتویٰ

مولوی سید محمد مرتضیٰ صاحب دیوبندی نے اپنی کتاب میں مولوی احمد رضا خاں صاحب کو کافر۔ اکفر۔ دجالِ مائۃ حاضرہ۔ مرتد۔ خارج از اسلام وغیرہ ثابت کیا ہے۔

(رسالہ ردّ التکفیر علی الفحاش التنظیر)

دوسری طرف

مولانا احمد رضا خاں صاحب (بریلوی) نے مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ (بانی دارالعلوم دیوبند) اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ وغیرہ کے عقاید کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ ھؤلاء مرتدون باجماع الاسلام (یہ سب باجماع الاسلام مرتد ہیں)۔ اس فتوے پر علماء حرمین شریفین اور دیگر مفتیوں اور قاضیوں کے دستخط اور مہریں ثبت ہیں۔ ان کی تین وجوہ تکفیر بیان کی گئی ہیں (۱) ختم نبوت کا انکار کرتے ہیں (۲) آنحضرت کی توہین کرتے ہیں۔ (۳) امکانِ کذب باری تعالیٰ۔

اس لئے ان کے متعلق لکھا ہے کہ

جو ان کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

(حسام الحرمین صفحہ ۱۱۳ تا ۱۰۰)

آپ نے غور فرمایا؟ پاکستان میں اس وقت بھی بڑے بڑے فرقے ہیں۔ شیعہ۔ سُنی حنفی۔ اہلحدیث۔ دیوبندی، بریلوی۔ یا ارباب طریقت میں چشتیہ۔ قادریہ۔ نقشبندیہ وغیرہ۔ ان سب کے خلاف، کفر اور ارتداد کے فتوے لگ چکے ہیں۔

یہ تو رہی موجودہ فرقوں کی بات۔ اس دستور کے عمل میں آجانے کے بعد ایک صورت اور بھی سامنے آئے گی۔ دستور میں جو حلف نامہ دیا گیا ہے اُس کی رُو سے کسی شخص کے مسلمان ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اس امر کا اقرار کرے کہ

قرآن اور سنت کی جملہ مقتضیات و تعلیمات پر ایمان رکھتا ہے۔

سُنی حضرات کے نزدیک ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا سنت کے مقتضیات میں سے ہے لیکن شیعہ حضرات کے نزدیک ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا مقتضیاتِ سنت میں سے ہے۔ لہٰذا سنیوں کے نزدیک شیعہ مقتضیاتِ سنت کے منکر ہیں اور شیعوں کے نزدیک سُنی۔ یہی کیفیت سنیوں میں مقلدین اور غیر مقلدین کی ہے۔ مختصر الفاظ میں فرقوں کے جتنے باہمی اختلافات ہیں اور جن کی رُو سے وہ ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں اُن کی بنیاد مقتضیات و تعلیماتِ سنت ہی کے اختلاف پر ہے۔ یہ اس لئے کہ ہر فرقے کی سنت اپنی اپنی ہے۔

آپ سوچئے کہ اگر ان حضرات کا یہ مطالبہ مان لیا جائے تو اس ملک میں کوئی مسلمان زندہ بھی رہ سکے گا

ہم نے اوپر لکھا ہے کہ پیدائشی مسلمانوں کے سلسلے میں دشواری پیش آئے گی کیونکہ انہیں اسلام قبول کرنے یا کافر رہنے کا حق انتخاب دیا ہی نہیں گیا تھا مودودی صاحب نے اپنے کتابچہ میں اس کا حل یہ بیان فرمایا ہے کہ:-

جس علاقے میں اسلامی انقلاب رونما ہو وہاں کی مسلمان آبادی کو نوٹس دیدیا جائے کہ جو لوگ اسلام سے اعتقاداً و عملاً منحرف ہو چکے ہیں اور منحرف ہی رہنا چاہتے ہیں وہ تاریخ اعلان سے ایک سال کے اندر اندر اپنے غیر مسلم ہونے کا باقاعدہ اظہار کر کے ہمارے نظامِ اجتماعی سے باہر نکل جائیں۔ اس مدت کے بعد اُن سب لوگوں کو جو مسلمانوں کی نسل سے پیدا ہوئے ہیں مسلمان سمجھا جائے گا۔ تمام قوانین اسلامی اُن پر نافذ کئے جائیں گے، فرائض و واجباتِ دین کے التزام پر انہیں مجبور کیا جائے گا۔ اور پھر جو کوئی دائرۂ اسلام سے باہر قدم رکھے گا اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ (مرتد کی سزا۔ صفحہ ۸۰-۸۱)

یہ ہیں وہ حضرات جن کا مطالبہ یہ ہے کہ چونکہ اس (بدنصیب) مملکت کو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔ اس لئے اس کی زمام اقتدار ہمارے ہاتھ میں دو!

کیا اس کے بعد بھی یہ پوچھنے اور سمجھنے کی ضرورت باقی رہتی ہے کہ ہماری نئی نسل مذہب سے دامن چھڑا کر بھاگ کیوں رہی ہے اور ہم دنیا میں ذلیل و خوار کیوں ہو رہے ہیں؟

——— (بقیہ) ———

لمعات

(۱) بساطِ سیاست کی مہرہ بازیاں

مسودۂ آئین میں جو مسئلہ اس وقت سب سے زیادہ بحث و نظر کا موضوع بنا ہوا ہے۔ اُس کا تعلق وزیرِ اعظم کے اختیارات اور اُس کی علیحدگی کی شرائط سے ہے۔ اس کے نمایاں گوشے حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ وزیرِ اعظم کی علیحدگی کے لئے ارکانِ ایوان کی ⅔ اکثریت کی ضرورت ہے۔

۲۔ وزیرِ اعظم جب جی چاہے، اسمبلی کو معزول کر سکتا ہے۔

۳۔ اسمبلی کی معزولی کی صورت میں بھی وزیرِ اعظم بدستور اپنے منصب پر قائم رہ سکتا ہے۔

۴۔ صدر کے کوئی اختیارات نہیں ہوں گے۔ مسودۂ آئین میں جو اختیارات صدر کی طرف منسوب کئے گئے ہیں وہ بھی درحقیقت وزیرِ اعظم کے اختیارات ہیں کیونکہ صدر کو وزیرِ اعظم کے مشورہ کا پابند بنایا گیا ہے۔

حزبِ اختلاف کا اعتراض ہے کہ ان اختیارات کی رُو سے وزیرِ اعظم آمرِ مطلق بھی بن جاتا ہے اور اُسے دوام بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کے جواب میں حزبِ اقتدار کا کہنا ہے کہ وزیرِ اعظم کے ان اختیارات و شرائط کی تجویز خود حزبِ اختلاف کے نمائندوں کی طرف سے پیش ہوئی تھی۔ حزبِ اختلاف کے جو نمائندے اس وقت تک ٹیلیویژن پر آتے ہیں انہوں نے اسے تسلیم کیا ہے کہ یہ تجویز واقعی اُن کی طرف سے پیش ہوئی تھی ـــــ اور اس کے بعد جو کچھ کہا گیا ہے وہ آئیں بائیں شائیں سے زیادہ کچھ نہیں۔

بادی النظر میں یہ بات واقعی ناقابلِ تسلیم سی نظر آتی ہے کہ اس قسم کی تجویز حزبِ مخالف کی طرف سے پیش ہوئی ہو لیکن جب اس مسئلہ کی گہرائی میں جایا جائے تو بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہ تجویز حزبِ مخالف ہی کی طرف سے آئی ہوگی۔ حزبِ مخالف میں نیشنل عوامی پارٹی (نیپ)، ہی سب سے زیادہ موثر ہے۔ اس پارٹی کے نمائندہ محترم غوث بخش بزنجو آئینی سمجھوتے میں موجود تھے اور جیسا کہ قرائن سے ظاہر ہوتا ہے یہ تجویز انہی کی طرف سے آئی ہوگی۔ اور اگر یہ صحیح ہے تو بساطِ سیاست پر اُن کی شاطریت کی داد دینی پڑتی ہے۔ ہمارا اندازہ یہ ہے کہ عصرِ حاضر میں جس قسم کی سیاست کا دور دورہ ہے جناب بزنجو اُس کے بہت بڑے ماہرین میں سے ہیں۔ یوں تو اُن کا یہ سیاسی کردار شروع ہی سے نمایاں نظر آتا ہے لیکن آئین کے سلسلہ میں جو کچھ اور جس انداز سے کیا گیا ہے اس کی مثال کم ملتی ہے۔

اس وقت مرکز میں پیپلز پارٹی کو اتنی بڑی اکثریت حاصل ہے کہ عام جمہوری طریق کی رُو سے اُس پارٹی کے

وزیر اعظم کو کسی قسم کا خطرہ ہی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا وزیراعظم کی برطرفی کے لئے ⅔ کی اکثریت کی شرط عاید کرنا پیپلز پارٹی کی پوزیشن کو مستحکم کرنے میں کسی قسم کا اضافہ نہیں کرتا۔ وہ اس کے بغیر بھی جری مستحکم ہے جنب مخالف نے یہ تجویز پیش کی ہوگی تو حزب اقتدار نے بہرحال اسے خوش آمدید کہا ہوگا۔ بلکہ ممکن ہے وہ اس تجویز کے پیش کرنے والے کے شکر گزار بھی ہوئے ہوں کہ وہ ان کے استحکام کے لئے ایسا مستحسن جذبہ اپنے دل میں رکھتا ہے۔ اس بنا پر یہ تجویز بکمال مسرت منظور کر لی گئی ہوگی

اس تجویز کے مرکز کے لئے منظور کئے جانے کے بعد یہ قدم بڑھایا گیا کہ یہی طریق صوبوں میں بھی نافذ العمل ہوگا۔ اور یہ ہے وہ مقام جہاں اس تجویز کے واضعین کی ماہرانہ سیاست بروئے کار آتی ہے۔ سرحد اور بلوچستان دونوں میں نیپ کو ایسا استحکام حاصل نہیں جیسا استحکام پیپلز پارٹی کو مرکز میں حاصل ہے۔ نیپ نے اس آئینی شق کا صوبوں پر اطلاق کرنے سے اپنی پوزیشن کو اتنا مستحکم کر لیا، جتنا بہت زیادہ اکثریت کی رو سے ممکن تھا۔ ان دونوں صوبوں میں اس پارٹی کے منتخب کردہ چیف منسٹروں کو صوبائی اسمبلی کی عام اکثریت ہلا نہیں سکے گی۔ اس کے برعکس ان کے وزرائے اعلیٰ جب جی چاہے اسمبلی کو توڑ کر خود اپنے مقام پر فائز رہیں گے۔ نیپ نے اس تجویز سے اپنے لئے ایسا استحکام اور دوام حاصل کر لیا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔

صوبوں میں گورنروں کا مسئلہ وجہ دردسر ہو سکتا ہے کیونکہ گورنر صدر کے نامزد کردہ ہوتے تھے۔ موجودہ عبوری دور کی حکومت کے زمانے میں بھی یہ مسئلہ خاصا باعث پریشانی رہا اور بالآخر صدر بھٹو کو نیپ کی شرائط منظور کرنی پڑیں اور ان دونوں صوبوں میں گورنر انہی کی پارٹی کے مقرر کئے گئے۔ اس مختصر سے عرصے کی تاریخ شاہد ہے کہ یہ گورنر مقرر تو اس لئے کئے گئے تھے کہ وہ ان صوبوں میں مرکز کی نیابت کریں لیکن وہ ہر مقام پر مرکز کے مدمقابل کھڑے ہوتے گئے۔ مستقل آئین کی رو سے یہ مسئلہ بھی وجہ پریشانی ہو سکتا تھا۔ اس کے لئے تجویز کیا گیا کہ صدر مملکت صرف نام کا صدر ہو۔ اختیارات بالکلیہ وزیراعظم کے ہاتھ میں ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس تجویز کا بھی صدر بھٹو نے خندہ پیشانی سے استقبال کیا ہوگا۔ جب صدر سے متعلق یہ تجویز پاس ہو گئی تو اگلا قدم یہ اٹھایا گیا کہ صوبوں کے گورنروں کی بھی یہی پوزیشن ہوگی۔ اب صورت یہ ہوگی کہ گورنر نامزد کردہ ہوں گے صدر مملکت (عملاً وزیراعظم) کے لیکن اختیار ان کا کچھ نہیں ہوگا۔ لہٰذا اس تجویز کی رو سے بھی یہ دونوں صوبے مرکز کے دائرۂ اقتدار سے باہر آ گئے۔ اب انہیں کسی قسم کا خدشہ ہی نہیں رہا کہ مرکز کے نامزد کردہ گورنر صوبوں کے معاملات میں کسی طرح بھی دخیل ہو سکیں گے۔ ان صوبوں کی عملاً اس وقت بھی یہی حالت ہے کہ وہ مرکز کے وجود کو نہ صرف یہ کہ تسلیم ہی نہیں کرتے بلکہ اس کے کھلے ہوئے حریف نظر آتے ہیں۔ ان کا یہ طرز عمل بہرحال آئین کے خلاف ہے۔ اب ایسی صورت پیدا کر دی گئی ہے کہ ان صوبوں کی اس قسم کی مرکز سے آزادی کے خلاف آئینی طور پر بھی کوئی اعتراض نہ کیا جا سکے۔ مجوزہ آئین کی رو سے صوبوں کو اس قدر اختیارات دے دیئے گئے ہیں کہ حکومت کا ڈھانچہ فیڈرل کے بجائے کنفیڈریشن سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔

ان حضرات کو مرکز کے صاحب اقتدار ہونے سے جو اس قدر چڑ ہے تو اس کی تہہ میں ایک اور جذبہ پنہاں نظر آتا ہے بدقسمتی سے مغربی پاکستان میں پنجاب کو عددی اکثریت حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی یہی اکثریت مرکز میں کھینچ کر کافی موثر ہو جاتی ہے۔ اس سے ان صوبوں کے دل میں یہ جذبہ ابھرتا ہے کہ مرکز کی حکومت درحقیقت پنجاب کی حکومت ہے۔ یہ ہے وہ پھانس جو انہیں کسی کروٹ چین نہیں لینے دیتی اور ان کی ہر ممکن کوشش یہ ہوتی ہے کہ مرکز کو زیادہ سے زیادہ

غیر موثر کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے، مرکز میں کم از کم اختیارات رکھنے کے بعد انہوں نے ایوانِ بالا (سینیٹ) میں پنجاب کی عددی اکثریت کو ختم کر دیا۔ یعنی چاروں صوبوں کو برابر حیثیت دے دی (اب ان حضرات کا مطالبہ یہ ہے کہ مرکز اور صوبوں کے اختیارات کی مشترکہ فہرست سینیٹ کی تحویل میں دے دی جائے) اس کے بعد ایک اور قدم اٹھایا اور مرکز کی تحویل میں دیئے ہوئے بیشتر اختیارات کے لئے ایک "مشترک مفادات کی کونسل" تجویز کر دی گئی جس میں ہر صوبے کا چیف منسٹر ممبر ہوگا۔ یعنی یہاں بھی پنجاب کو دوسرے صوبوں کی صف میں لا کھڑا کر دیا گیا ہے۔

آئین میں یہ شق بھی رکھی گئی ہے کہ سوئی گیس اور ہائیڈرو الیکٹریسٹی کی ڈیوٹی یا منافع اُس صوبے کو جائے گا جس میں ان دونوں کے سرچشمے ہیں۔ سوئی گیس کا سرچشمہ بلوچستان میں ہے اور تربیلا ڈیم جو ملک میں بجلی کا سب سے بڑا سرچشمہ ہوگا، صوبہ سرحد میں ہے۔ اس کے برعکس سوئی گیس اور بجلی دونوں کا سب سے بڑا صارف (CONSUMER) اپنی آبادی کی نسبت سے پنجاب ہوگا۔ یہ دونوں صوبے جس نرخ پر چاہیں اسے سوئی گیس یا بجلی سپلائی کریں گے اور ان کا منافع مرکز کی بجائے ان صوبوں کو ملے گا۔ دریاؤں کے پانی کی تقسیم کے سلسلہ میں پہلے ہی پنجاب کو تشنہ کام بنانے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔

ہم نے جو کچھ اوپر لکھا ہے اُس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ خدانخواستہ ہم پنجاب کی وکالت کر رہے ہیں۔ سارا ملک جانتا ہے کہ طلوعِ اسلام سرحد، پنجاب، سندھ، بلوچستان کی صوبائی تفریق اور اس کی بنا پر چار قومیتوں کے تصور کو غیر اسلامی سمجھتا ہے اور انہیں مٹا کر پورے ملک کو ایک وحدت کے قالب میں ڈھال دینے کے لئے شروع سے کوشاں ہے۔ ہم نے جو کچھ لکھا ہے، اُس سے مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ ہمارے ملک کی یہ انتہائی بدقسمتی ہے کہ یہاں صوبائی عصبیت اس قدر شدید ہو گئی ہے کہ کم آبادی والے صوبے زیادہ آبادی والے صوبے کو ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتے۔ وہ اُسے غیر موثر بنانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ اُسے غیر موثر بنانے کی ایک ترکیب یہ ہے کہ مرکز کو زیادہ سے زیادہ کمزور کر دیا جائے۔ وہ اپنی صوبائی عصبیت کی بنا پر اتنا بھی نہیں سوچتے کہ کمزور مرکز خود مملکت کو کمزور کر دے گا۔ کتنی بڑی ناعاقبت اندیشی ہے کہ ہاتھ پاؤں کو تو مضبوط رکھا جائے اور دل کو کمزور کر دیا جائے حالانکہ ہم روز دیکھتے اور پڑھتے ہیں کہ انسان کی موت دل کی کمزوری کی وجہ سے ہوتی ہے، ہاتھ پاؤں کی کمزوری کی وجہ سے نہیں۔ یہاں مرکز کو کمزور کرنے کے لئے کبھی صوبائی خودمختاری کو انتہا تک لے جایا جاتا ہے اور کبھی چار قومیتوں کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے — خدا ہی جانے کہ یہ ذہنیت ہمیں اب کہاں لے جائے گی؟ مشرقی پاکستان میں صوبائی خودمختاری اور جداگانہ قومیت کے دعاوی سے آدھی مملکت ہمارے ہاتھوں سے نکل گئی۔ اب اسی قسم کے دعاوی اس باقی حصہ میں بھی بلند کئے جا رہے ہیں — اور انتہائی بدقسمتی یہ ہے کہ ملک میں کوئی آواز ایسی بلند نہیں ہو رہی جو اس ذہنیت سے بالاتر ہو کر مملکتِ پاکستان کی سالمیت اور دین کی بنیاد پر قوم کی وحدت کی دعوت دے۔ ظاہر ہے کہ اس نہج پر وہی سوچ سکے گا جو قرآن میں عطا کردہ مستقل اقدار پر یقین محکم رکھے اور قرآن کی روشنی میں ان مسائل کا جائزہ لے۔

—— (۲) ——

قرآن کریم کی روشنی میں حالات کا جائزہ لینا تو درکنار، ان حضرات کا تصورِ جمہوریت بھی دنیا جہان سے نرالا ہے۔ مغربی جمہوریت کا عام مفہوم یہ ہوتا ہے کہ قوم کے منتخب ارکان پر مشتمل جس پارٹی کی اکثریت ہو اُس کے فیصلے ملک کے

سے قانونی حیثیت رکھتے ہیں۔ صوبائی اسمبلیوں میں اکثریت کے فیصلوں کا دائرہ نفوذ صوبوں کی حدود ہوتی ہیں اور مرکزی اسمبلی میں اس کے فیصلوں کا نفاذ پورے ملک پر ہوتا ہے۔ اس وقت صورت یہ ہے کہ مرکزی اسمبلی میں پیپلز پارٹی کی اکثریت ہے۔ ظاہر ہے کہ اصولِ جمہوریت کی رو سے اُسے حق حاصل ہے کہ وہ ملک کے لئے آئین مرتب کرے لیکن مسٹر ولی خان بار بار دہراتے ہیں کہ چونکہ پیپلز پارٹی کو سرحد اور بلوچستان میں نمائندگی حاصل نہیں اس لئے اُسے کوئی حق حاصل نہیں کہ اپنے مرتب کردہ آئین کو ان دو صوبوں پر بھی نافذ کر دے۔ ہم اس پارٹی کو یہ حق ہرگز نہیں دینگے۔" آپ سوچئے کہ اس وقت اتفاق سے پیپلز پارٹی کو دو صوبوں (سندھ اور پنجاب) میں اکثریت حاصل ہے لیکن اگر ایسی صورت نہ ہوتی اور اُسے صرف مرکز میں اکثریت حاصل ہوتی تو ولی خان صاحب کے نظریہ کی رو سے اس کا مرتب کردہ آئین کہیں بھی نافذ نہ ہو سکتا۔ کیا ولی خان صاحب بتائینگے کہ اس صورت میں مرکز میں اکثریتی پارٹی کے وجود کا مفہوم کیا ہوتا اور ملک کے لئے آئین مرتب کرنے کا حق کیسے حاصل ہوتا؟

اور دلچسپ بات یہ کہ یہی ولی خان صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ "بنگلہ دیش کی علیحدگی کا بنیادی سبب یہ ہے کہ عوامی لیگ کو ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے نتیجے میں جو اکثریت حاصل ہوگئی تھی اُسے اس کے حق سے بہرہ یاب نہ ہونے دیا گیا۔" یہ معلوم ہے کہ عوامی لیگ کو مرکز میں اکثریت حاصل ہوئی اور صوبوں میں سے صرف مشرقی پاکستان میں۔ مغربی پاکستان کے کسی صوبے میں اُس کی کوئی نمائندگی نہیں تھی۔ ظاہر ہے کہ ولی خان صاحب کے پیش کردہ نظریہ کے مطابق، اس پارٹی کا مرتب کردہ آئین صرف مشرقی پاکستان میں نافذ ہو سکتا۔ کیا وہ بتائیں گے کہ اس صورت میں مغربی پاکستان میں کونسا آئین نافذ ہوتا؟

اور ایسا کچھ کہنے میں ولی خان صاحب ہی منفرد نہیں۔ جماعتِ اسلامی کے قائد ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بھی یہی فرماتے ہیں کہ قومی اسمبلی میں کسی پارٹی کو اکثریت حاصل ہو جانے سے اُسے یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ اپنی مرضی کا آئین نافذ کر دے۔ (نوائے وقت ۱۰ فروری ۱۹۷۳ء)

حیرت ہے کہ انتخابات میں شکست نے ان حضرات کو کس قدر بوکھلا دیا ہے!

[ان سطور کی کتابت ہو چکنے کے بعد بلوچستان کی حکومت برطرف کر دی گئی اور حکومت سرحد نے خود استعفیٰ دے دیا۔ معلوم نہیں اب وہاں کس قسم کی حکومتیں بنائی جائیں گی]

۲۔ اکثریت کا حق؟

اکثریت کی بات سامنے آگئی تو نگاہ کا رُخ صدرِ مملکت محترم بھٹو کے اُس خطاب کی طرف پھر گیا جو انہوں نے اگلے دنوں سکھر میں پیپلز پارٹی کے کارکنوں کے ایک اجتماع سے کیا تھا۔ انہوں نے اس میں فرمایا کہ

> متحدہ ہندوستان میں ہم ایک اقلیت تھے لیکن ہم علیحدگی چاہتے تھے۔ ہم نے اپنا مطالبہ منوا کر پاکستان بنا لیا۔ بنگالی مسلمان پاکستان میں اکثریت کی حیثیت رکھتے تھے۔ اگر ہم اقلیت ہوتے ہوئے ہندوستان سے الگ ہو گئے تو ہماری ایک اکثریت ایسا کیوں نہیں کر سکتی تھی؟
>
> (نوائے وقت ۲۰ جنوری ۱۹۷۳ء)

اگر اخبار کی یہ رپورٹنگ درست ہے تو مقامِ حیرت ہے کہ صدر محترم نے یہ کیا فرما دیا؟ پاکستان میں اکثریت مسلمانوں کی

ہے اور اقلیت غیر مسلموں کی۔ (یہی صورت بنگلہ دیش کی علیحدگی سے پہلے بھی تھی) سمجھ میں نہیں آتا کہ مملکت پاکستان میں اکثریت اور اقلیت کا اور کونسا معیار ہو سکتا ہے۔ مشرقی پاکستان کی حیثیت مملکت کے ایک صوبے کی تھی۔ بعض اتفاق امر ہے کہ اس ایک صوبے کی آبادی باقی حصہ مملکت سے زیادہ تھی۔ صدر بھٹو کے اس ارشاد کا عملی مفہوم یہ ہوگا کہ مملکت کے کسی صوبے میں اگر آبادی کی اکثریت ہو تو اُسے حق حاصل ہو جائے گا کہ وہ مملکت سے علیحدہ ہو جائے۔ ذرا سوچئے کہ اس کا منطقی نتیجہ کیا ہو سکتا ہے۔ مشرقی پاکستان مملکت سے الگ ہو گیا۔ اب مغربی پاکستان میں پنجاب کے صوبے میں آبادی کی اکثریت ہے۔ اس منطق کی رُو سے اب پنجاب کو بھی یہ حق حاصل ہونا چاہیئے کہ وہ مملکت سے علیحدہ ہو جائے۔ پھر باقی ماندہ پاکستان میں سندھ میں آبادی کی اکثریت ہوگی۔ اس دلیل کی رُو سے اُسے بھی حقِ علیحدگی حاصل ہو جائے گا۔ اس کے بعد مملکت مشتمل ہوگی سرحد اور بلوچستان پر۔ ان دو میں سے اکثریت کی دلیل کی رُو سے، سرحد کو بھی علیحدگی کا حق حاصل ہو جائے گا۔ آخر میں مملکتِ پاکستان صرف بلوچستان کا نام رہ جائے گا اور وہ بھی اس لئے کہ

کسے نماند کہ دیگر بہ تیغِ ناز کشی!

یاد رکھیئے! مملکتِ پاکستان ایک غیر منقسم وحدت ہے جس میں صرف ایک مسلم قوم بستی ہے۔ اس قوم کے اندر اکثریت اور اقلیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مملکت کے مختلف صوبے (مشرقی پاکستان سمیت) محض انتظامی تقسیم کار کے لئے وجود میں لائے گئے ہیں۔ ان کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس لئے انہیں نہ حق خود اختیاری حاصل ہونا چاہیئے نہ کسی بنیاد پر مملکت سے علیحدگی کا حق۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم ایک مملکت کے اندر صوبوں پر مشتمل وفاقی حکومت کا بھی مفہوم نہیں سمجھ سکے۔

۲۔ ایک مارکسسٹ کا مشورہ

یہاں تک ہم مملکت کی جغرافیائی سرحدوں کا ذکر کر رہے تھے۔ اب نظریاتی سرحدوں کی طرف آیئے۔ مسٹر جے۔ اے رحیم مرکزی کابینہ کے وزیر بھی ہیں اور پیپلز پارٹی کے جنرل سیکرٹری بھی۔ انہوں نے اگلے دنوں لاہور میں ایسوسی ایشن آف یونیورسٹی پروفیسرز کی طرف سے دیئے گئے ایک عشائیے میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ

> اگر پاکستان کے لوگ زندہ رہنا چاہتے ہیں تو انہیں چاہیئے کہ وہ نظریات اور ماضی کی قراردادوں کا ذکر کرنا چھوڑ دیں۔　　(پاکستان ٹائمز۔ ۴ فروری ۱۹۷۳ء)

اس کے بعد انہوں نے کہا کہ پاکستان کی تعمیر قومیت کے اصول پر کرنی چاہیئے۔! انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ مارکسسٹ ہیں اور اپنے خیالات کو لوگوں پر ٹھونسنا نہیں چاہتے۔ جو کچھ وہ چاہتے ہیں صرف یہ ہے کہ لوگ اپنی قدیم فکر سے اپنے آپ کو رہا کر لیں۔

جیسا کہ ہم نے شروع میں کہا ہے رحیم صاحب مرکزی کابینہ کے وزیر بھی ہیں اور پیپلز پارٹی کے جنرل سیکرٹری بھی۔ ان کی پارٹی نے وہ آئین مرتب کیا ہے جس میں نظریۂ پاکستان کے تحفظ کو پاکستان کی سالمیت کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے اور یہی شق اس آئین کے حلف (عہد) کے الفاظ میں بھی داخل کر دی گئی ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایک طرف یہ

حضرات اس قسم کا آئین بھی مرتب کرتے ہیں اور دوسری طرف لوگوں سے یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر وہ زندہ اور سلامت رہنا چاہتے ہیں تو انہیں نظریۂ پاکستان کے افسانوں کو فراموش کر دینا چاہیئے کیونکہ یہ عہد ماضی کی یادگار ہیں۔ ان زنجیروں سے رہائی ہی میں ان کی بقا کا راز مضمر ہے۔ اس کے بعد ہم اس سے زیادہ اور کیا کہیں۔

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں!

یاد رکھیئے! جب تک نظریۂ پاکستان اور وحدتِ ملت کے خلاف لب کشائی یا قلم کاری کو بغاوت کا جرم قرار نہیں دیا جائے گا، ان سرحدوں کی حفاظت نہیں ہو سکے گی۔ اور اگر یہ سرحدیں ٹوٹ گئیں تو جغرافیائی سرحدوں کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہے گی۔

پرویز صاحب کی معرکہ آرا انگریزی کتاب

ISLAM: A CHALLENGE TO RELIGION

جس نے اپنے ملک کے علاوہ یورپ اور امریکہ کے ارباب فکر و نظر سے بھی خراجِ تحسین حاصل کیا ہے۔

قیمت: (دبکس بورڈ کے) -/۲۰ روپے
قیمت: (خوبصورت جلد کے ساتھ) -/۳۰ روپے
} محصول ڈاک اور پیکنگ علاوہ۔

جلد حاصل کیجئے۔

(ناظم)

لاہور میں سپیئر پارٹس کی مشہور دکان

سٹینڈرڈ آٹو موبائلز

پر تشریف لائیے!

ڈیلرز ▫ موٹر پارٹس
ٹرک (ڈیزل) پارٹس

سپیشلسٹ ▫ ڈاج، بیڈفورڈ، لی لینڈ
بی۔ ایل۔ ایم۔ سی

۱۳۵۔ بادامی باغ لاہور
ٹیلیفون 69012

عربی ٹائپ رائٹر

برائے فروخت

ادارہ طلوع اسلام کے پاس جرمن ساخت کا بالکل نیا عربی ٹائپ رائٹر برائے فروخت موجود ہے۔ خواہشمند حضرات (۱۰ مارچ تک) اتوار کو چھوڑ کر کسی روز ۳ بجے سہ پہر سے لیکر ۶ بجے شام تک ادارہ کے دفتر واقع ۲۵/بی گلبرگ (۲) نزد دین مارکیٹ متصل پولیس اسٹیشن تشریف لا کر اسے ملاحظہ فرمائیں اور معاملہ طے کر لیں۔

ناظم

نقد و نظر

"فضل العرب علی اوربا" (یورپ پر عربوں کا احسان) — شائع کردہ ۔ دار المعارف ۔ مصر

آج کل عرب ممالک کے اخبارات میں کتاب زیرِ تبصرہ کا بڑا چرچا ہے۔ اصل کتاب جرمن زبان میں ہے جو ایک جرمن مستشرق عورت زیجرید ھونکہ کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ کتاب کا دنیا کی مشہور زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ عربی ترجمہ ڈاکٹر فواد حسنین علی کے قلم سے ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ عربی مترجم مصنفہ کو جرمنی کے چانسلر یعنی صدرِ حکومت کے برابر درجہ دیتے ہوئے شمس اللہ کے خطاب سے نوازتے ہیں۔ راقم جب اس کتاب کا مطالعہ کر چکا تو مکہ شریف سے شائع ہونے والے ایک اخبار الندوہ میں رابطہ العالم الاسلامی کے ماہوار جریدے کے ایڈیٹر شیخ محمد سعید العامودی کا تبصرہ نظر سے گزرا۔ انہوں نے جس انداز سے اس کتاب کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہیں حیرت میں ڈوب گیا۔ میری حیرت کی وجہ یہ تھی کہ بے شک مصنفہ نے عربوں کی قدم قدم تعریف کی ہے لیکن اس کی تعریف میں ہر جگہ ذم کا پہلو نکلتا ہے اور اس تعریف کے پردے میں اسلام اور اہلِ اسلام کی جو درگت اس نے بنائی ہے وہ برداشت سے باہر ہے۔ ابھی میری یہ حیرانی ختم نہیں ہوئی تھی کہ ماہ نومبر ۷۲ء کا رابطہ العالم الاسلامی کا مجلہ بھی موصول ہو گیا۔ اس میں اس کتاب کی الندوہ سے بھی زیادہ نہ صرف تعریف کی گئی تھی بلکہ یہ بھی مطالبہ کیا گیا تھا کہ اس کا سستا ایڈیشن شائع کر کے وسیع پیمانے پر تقسیم کیا جائے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک یہ سستا ایڈیشن شائع ہو کر تقسیم بھی ہو چکا ہو۔ ہم قارئین کو اس کتاب کے کچھ مقامات کی جھلک دکھلاتے ہیں۔

کتاب کے شروع ہی میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ اس کا موضوع عرب اور ان کی ثقافت ہے نہ کہ اسلام۔ لیکن اس کے باوجود عربوں کی تعریف کے پردے میں اسلام پر کیچڑ اچھالنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا گیا۔ مثلاً مسجد اقصیٰ جس کی بے حرمتی پر سارا عالمِ اسلامی چیخ اٹھا تھا کی بابت یہ "تحقیق" پیش کی گئی ہے کہ یہ دراصل پاک مریم کا گرجا تھا جسے خلیفہ عبد الملک نے مسجد میں تبدیل کر دیا۔ (صفحہ ۳۰۵) کیا رابطہ العالم الاسلامی کے اہلِ علم کو اس تحقیق کے درست سمجھنے میں کوئی غیرت محسوس نہ ہوئی۔؟

کتاب کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ یورپ نے صدیوں تک عربوں سے "فیض" حاصل کیا ہے اور ان کے بہت ہی قریبی اور دوستانہ تعلقات رہے ہیں۔ اس لئے اب وقت ہے کہ عرب یورپ سے یہ فیض دوبارہ حاصل کریں جو انسانیت کے لئے بہت ہی بابرکت ہوگا۔ (صفحہ ۱۲ الخ) اس طرح کی چکنی چپڑی باتوں سے عربوں کو بے وقوف بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اب مشکل یہ تھی کہ اس گہری دوستی کے دوران اہلِ یورپ دو سو سال تک پورے مذہبی جنون کے ساتھ اہلِ عرب اور مسلمانوں کو تاراج کرتے رہے۔ ہمارا اشارہ صلیبی جنگوں کی طرف ہے۔ لیکن مصنفہ عربوں اور ترکوں کی چپقلش کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بڑی چالاکی سے ترکوں کو صلیبی جنگوں کا مجرم قرار دے دیتی ہے کہ یہ سب کچھ ان کی شرارتوں کی وجہ سے ہوا (صفحہ ۳۹)۔ غالباً اسی تحقیق کی بنا پر رابطہ العالم الاسلامی اس کا سستا ایڈیشن شائع کرنے کی

کوشش کر رہی ہے۔

مسلمانوں کی طب پر یورپ پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں لیکن مصنفہ عربوں کی لفظی تعریف کرتے ہوئے عربوں کے طبیب اعظم اور سرجن ابوالقاسم الزاہروی جس نے اس شعبہ پر پورا انسائیکلوپیڈیا چھوڑا ہے، کا ذکر تو دو چار سطروں میں کرتی ہے لیکن ابوبکر محمد بن زکریا رازی جو علی الاعلان دہریہ اور ایرانی النسل تھا، کا ذکر سینکڑوں صفحات سے متجاوز ہے یہ ایک واقعہ ہمارے عرب بھائیوں کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی تھا لیکن اس کے باوجود وہ اس کتاب کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ در اصل یہ عربوں کا معاملہ کم ہے۔ ابوالقاسم الزاہراوی خالص عرب ہونے کے علاوہ ایک سچا مسلمان بھی تھا۔ اس لئے اسلام کا چہرہ مسخ کرنے کے لئے ایک غیر عرب دہریئے کو اجاگر کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔

صلیبی جنگوں کو ترکوں کی شرارت قرار دے کر عربوں کو ترکوں سے متنفر کرنے کی کوشش کے بعد انہیں ایرانی مسلمان بھائیوں سے دور کرنے کیلئے مصنفہ تحقیق پیش کرتی ہیں کہ جہاں ساری دنیا نے عرب ثقافت کو سینے سے لگایا وہاں ایرانیوں نے اس سے نفرت کا اظہار کیا۔　(صفحہ ۲۵۰)

پچھلے دنوں الجزائر میں ایک سیمینار کے موقع پر بعض عرب ممالک کے نمائندوں نے راقم کے سامنے اس کتاب کی تعریف کی تو انہیں مذکورہ بالا مقامات دکھلائے گئے جس پر وہ خاموش ہو گئے۔ اس سیمینار میں کتاب کی مصنفہ کا خاوند بھی شریک تھا۔ اس نے راقم سے جان چھڑاتے ہوئے کہا کہ عنقریب اس کا اردو ترجمہ شائع ہو رہا ہے۔ اس موقع پر جمہوریہ مالی کے نمائندے پروفیسر سیدی محمد یوسف جبری نے فرمایا کہ ہمارے عرب بھائی کب سمجھیں گے کہ "اسرائیل کا پودا" انہی مستشرقین کا لگایا ہوا ہے۔

ہندوستان نے ٹھیک ٹھیک انہی مستشرقین کے نقش قدم پر چل کر عرب ممالک میں اپنے لئے مقام پیدا کیا ہے۔ جن اہل علم کی نظر سے حکومت ہند کے عربی زبان کے رسالے "ثقافۃ الہند" اور "رسالۃ الشرق" گذرے ہونگے وہ ضرور اس کی گواہی دینگے۔　(رفیع اللہ)

میزانِ اقبال

پروفیسر محمد منور صاحب۔　شائع کردہ:- یونیورسٹی بک ایجنسی، انارکلی۔ لاہور۔　ضخامت:- ۱۷۲ صفحات
بکس بورڈ کور۔　قیمت - آٹھ روپے۔　(جو ہمارے نزدیک زیادہ ہے)

یوں تو محترم مرزا محمد منور صاحب گورنمنٹ کالج میں اردو کے پروفیسر ہیں لیکن فارسی اور عربی ادب پر بھی انہیں بڑا عبور حاصل ہے۔ ذوق اُن کا سلیم ہے اور نگاہ وسیع۔ زیر نظر کتاب اُن کے چند ایک مقالات پر مشتمل ہے جن کا تعلق علامہ اقبالؒ کی فکر اور پیغام کے مختلف گوشوں سے ہے۔ ان میں 'کلام اقبالؒ پر عربی ادب کے اثرات' اور 'کلام اقبالؒ میں عجم کا مفہوم' خاص طور پر جاذب توجہ ہے۔ جی چاہتا تھا کہ وہ ان موضوعات پر اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھتے۔ ایک مقالہ کا عنوان ہے: "علامہ اقبال — جوش ملیح آبادی کی نظر میں"۔ ہمیں حیرت ہے کہ منور صاحب کی پاکیزگی ذوق

نے کیسے گوارا کر لیا کہ وہ جوش کو اقبال کے پہلو بہ پہلو کھڑا کر دیں۔ ہمیں اس سے صدمہ ہوا۔ جوش ملیح آبادی کی (جیسی کچھ بھی وہ ہے) اپنی دنیا ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ وہ اقبال کے پیغام کی علم اور قامت کو سمجھنے کی بھی استطاعت رکھتے ہیں۔ اقبالؒ کو تو اس سے بھی صدمہ ہوا تھا کہ لوگ انہیں شاعروں کی صف میں لا کھڑا کر دیتے ہیں۔ اور یہاں یہ قیامت ہے کہ انہیں شاعروں میں بھی جوش کے ہمدوش کھڑا کر دیا گیا ہے۔ ہم محترم منور صاحب سے درخواست کریں گے کہ وہ پیامِ اقبال کی عظمت اور عفت کے متعلق ایک مستقل کتاب لکھ کر اپنے اس "گناہ" کا کفارہ ادا کریں۔

——— (٥) ———

معرکہ ایمان و مادیت

مولانا ابوالحسن ندوی مذہبی طبقہ میں محتاجِ تعارف نہیں۔ وہ نسبتاً روشن خیال ہیں اور اس باب میں ان کا انداز کچھ کچھ (مولانا) ابوالکلام آزاد سے ملتا جلتا ہے۔ انہوں نے کوئی دو سال اُدھر عربی زبان میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا عنوان تھا: "الصراع بين الايمان والمادية"۔ اس میں انہوں نے بقول اُن کے سورۂ کہف کا مطالعہ تفسیرِ قرآن، حدیث، قدیم تاریخ، جدید معلومات اور حالاتِ حاضرہ کی روشنی میں کیا تھا۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ (مولانا) محمد عبید فیروزپوری نے کیا ہے اور اُسے مکتبہ احمدیہ کارخانہ بازار لائل پور نے بڑے حسین انداز سے شائع کیا ہے۔ ضخامت ۱۳۶ صفحات، قیمت، مجلد، چھ روپے۔

سورۂ کہف میں چار قصے بیان ہوئے ہیں۔ (۱) اصحابِ کہف کا قصہ۔ (۲) دو باغ والوں کا قصہ۔ (۳) حضرت موسیٰ و خضر علیہم السلام کا قصہ اور (۴) ذوالقرنین کا قصہ۔ واضح رہے کہ قرآن نے خضر کا کہیں نام نہیں لیا چہ جائیکہ انہیں زمرۂ انبیاء میں شامل کیا جا سکے۔ ان قصوں کے متعلق مولانا ندوی نے جو کچھ لکھا ہے وہ قدامت پرستی اور جدت پسندی کا امتزاج ہے۔ جدت کا اس لئے کہ ان غاروں کے متعلق عصرِ حاضر میں جو انکشافات ہوئے ہیں انہوں نے ان کا تذکرہ بھی کیا ہے اور قدامت پرستی اس قسم کی کہ وہ اس کے قائل ہیں کہ اصحابِ کہف اس غار میں تین سو سال تک سوئے رہے تھے اور ان پر یہ کیفیت اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ نے طاری کر دی تھی۔ کیونکہ جو زادِ راہ وہ اپنے ساتھ لائے تھے، وہ ختم ہو گیا تھا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جب تک اصولاً قرآن کریم کو خود قرآن سے نہیں سمجھا جاتا، اس قسم کی خاردار جھاڑیوں سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔

ادارہ کی کتابوں کی قیمتیں

ادارہ کی طرف سے کتابوں کی جو قیمتیں مشتہر ہوتی ہیں ان میں محصول ڈاک اور پیکنگ کا خرچ شامل نہیں ہوتا۔ بذریعہ ڈاک کتابیں طلب کرنے والے حضرات نوٹ فرمائیں کہ ان سے کتاب کی قیمت کے علاوہ محصول ڈاک اور خرچ پیکنگ بھی لیا جائے گا۔ صرف وہ حضرات جو ایک سو پچاس والی پیشگی سکیم کی فہرست میں شامل ہیں اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ ان کی صورت میں محصول ڈاک اور خرچ پیکنگ ادارہ خود ادا کریگا۔

ناظم

طلوعِ اسلام کنونشن کا خطاب

پاکستان میں فکر اور احساس کی تعلیم

(پروفیسر) علاء الدین اختر۔ سکریٹری پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ۔ لاہور

ہم آئے دن یہ سنتے ہیں کہ ہمارا مروجہ نظامِ تعلیم ناقص ہے۔ اس کا اساسی فلسفہ مردہ ہے۔ ہم معاشرتی علوم میں تاریخی اور تہذیبی بے ربطی کا شکار ہیں اور سائنسی علوم میں بے عمقی اور بے مقصدیت کا۔ ہماری تعلیم نہ تو ہمیں معاشرتی تقاضوں کو سمجھنے کا ادراک دیتی ہے اور نہ اجتماعی ضرورتوں کا صحیح احساس۔ گویا سارا تعلیمی ڈھانچہ ایک طرح کا قالب ہے۔ نور اور حیات سے خالی۔ بے جان ہے۔ حتیٰ کہ پچھلے دنوں یہ بھی سننے میں آیا کہ سقوطِ مشرقی پاکستان کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہم نے اپنی تعلیمی ضرورتوں کی طرف سے مسلسل اغماض برتا۔ ہم یہ بھی سنتے ہیں کہ نظامِ تعلیم میں اصلاح کر دینے سے ذہنوں کا اندھیرا چھٹ جاتا ہے۔ خوف، مایوسی اور حزن، ہمت، عزم اور انبساط میں بدل جاتے ہیں اور معاشرے میں ایسے افراد کی کمی نہیں رہتی جو خورشید کا سامانِ سفر تازہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

یہ سب باتیں اپنی اپنی جگہ درست مگر غالباً آج تک پاکستان کے تعلیمی حلقوں میں اس بنیادی سوال پر کبھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا گیا کہ ہمارے اپنے نظریاتی ملک میں فکر اور احساس کی تعلیم اور تربیت پر اگر مناسب توجہ نہ دی جائے تو نوجوان نسل کے فکر اور احساس کس راہ پر چل نکلتے ہیں اور معاشرہ کن مسائل سے دوچار ہو جاتا ہے۔ تعلیم اگر افراد کے تاریک ذہنوں کو جلا بخشتی ہے، جراتِ ایمان عطا کرتی ہے، سوزِ یقین دیتی ہے اور اجتماعی اولوالعزمی کے لئے راہیں ہموار کرتی ہے تو اسی وقت جب فکر اور احساس کی تعلیم اور تربیت کے بارے میں دقتِ نظر سے کام لیا جائے اور انہیں نئے زاویوں میں ڈھالا جائے تاکہ نہ فکر پر جمود طاری ہو اور نہ احساس پر سکوتِ مرگ۔ اور نوجوان نسل اس قابل ہو سکے کہ وہ اپنے فکری اور جذباتی ورثے اور دوسروں کے افکار اور تجربات سے استفادہ کر سکے۔ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے۔ نظریاتی ملک تو چین بھی ہے اور روس بھی مگر پاکستان اسلامی نظریاتی ملک ہے۔ اسلامی نظریاتی مملکت کے راہنما اصول ماؤزے تنگ کی تحریروں میں تلاش نہ کرنا ہوں گے۔ انہیں لینن اور مارکس کی کتابوں سے بھی اخذ نہیں کرنا ہوگا۔ انہیں قرآن مجید اور احادیثِ نبوی سے لینا ہوگا تاکہ ان کی روشنی میں افراد کی سیرت اور کردار کی تشکیل کی جائے اور معاشرے میں اجتماعی زندگی کے اسلوب وضع ہوں۔ سیرت اور کردار کی تعمیر میں تعلیم کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے۔ اس پر کسی بحث و تمحیص کی گنجائش نہیں۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نظریات اور اقتصادیات کی بھی جو اہمیت ہے اسے بھی اپنی راہنما اصولوں کی روشنی میں دیکھنا ہوگا

ورنہ افراد کی سیرت اور کردار پر نظریات کی چھاپ مصنوعی ہوگی اور من حیث الجماعت وہ کسی خاص رنگ میں نہ رنگے جا سکیں گے اور انہیں یہ شعور کبھی نہ دیا جا سکے گا کہ نظریاتی مملکت میں صاحبِ علم کو حسنِ اخلاق اور حسنِ عمل دونوں کا مجسمہ ہونا کیوں خاص طور پر ضروری ہے۔

ہم پر ہی موقوف نہیں۔ آج کل قریب قریب ساری دنیا کا یہی المیہ ہے کہ ایک طرف تو حالات کا تقاضا یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ ذہین افراد سامنے آئیں جو فرداً فرداً اپنی ذمہ داری کا احساس کریں مگر دوسری طرف قدم قدم پر ایسے متعدد عوامل سرگرم کار ہیں کہ بالغ نظر اور جرأت مند شخصیتوں کا جینا دوبھر ہو گیا ہے اور منفرد کردار کے لوگ اپنے کو بھری دنیا میں اکیلے اکیلے محسوس کرنے لگے ہیں۔ آج کی دنیا اور اس کے مسائل اتنے پیچیدہ ہیں کہ انہیں سمجھنا اور سمجھانا آسان نہیں اور جب تک کسی چیز کو سمجھا نہ جائے اس کے متعلق نہ صحیح رائے قائم کی جا سکتی ہے اور نہ صحت مند احساس استوار ہو سکتا ہے۔ غالباً یہ سمجھنا تو مشکل نہیں کہ کسی پر اور کہاں کہاں کیا بیت رہی ہے مگر اس پر یہ ابتلا کیسے پڑی اور کہیں کوئی واقعہ کیوں سرزد ہو گیا یہ سمجھنا اتنا آسان نہیں کیونکہ اُن فکری اور جذباتی محرکات کو سمجھے بغیر جو کسی واقع کے تحت کارفرما ہوتے ہیں، یہ جاننا ممکن نہیں کہ کوئی واقعہ کیوں ہوا کیسے ہوا اور اس نے کسی لے جو تاثر قائم کیا وہ کس حد تک مستحسن یا غیر مستحسن تھا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیئے کہ فکر اور احساس کا تجزیہ کئے بغیر نہ کوئی عقلی حظ میسر آ سکتا ہے اور نہ جمالیاتی لطف۔ دونوں کی عدم موجودگی میں جو عملی اقدامات ہوں گے ان کا لاحاصل ہونا ظاہر ہے۔ اس لئے اگر بے جان، بے نور، ہنی از شعور شخصیتوں کو پالنا مقصدِ تعلیم نہیں جو یقیناً نہیں تو پھر تدریسی نظام میں خصوصاً اور معاشرے کے دیگر تار و پود میں عموماً فکر و احساس کی تربیت کا مناسب بندوبست کرنا ہوگا۔ میں اس بات چیت کو صرف تعلیمی اور تدریسی نظام تک محدود رکھوں گا۔ فکر اور احساس کی تربیت کا التزام کرنے کے لئے تعلیم کے مقاصد متعین کرنا ہوں گے۔ ان کا ادراکی، احساسی اور عملی تجزیہ کرنا ہوگا تاکہ پاکستانی بچوں کو بنایا جا سکے کہ زندگی امروز و فردا کا نام نہیں۔ جاودان، پیہم رواں ہر دم جواں ہے۔ تبھی وہ روایات سے منہ موڑے بغیر آگے بڑھنا سیکھیں گے۔ تحقیق و جستجو کی نئی راہیں وا کرنے کا حوصلہ پا سکیں گے۔ ان کے افکار اور احساسات میں گھٹن پیدا ہونے کے بجائے تازگی اور شگفتگی پیدا ہوگی اور وہ اس قدر جرأت مند ہوں گے کہ اپنی کامیابیوں پر سجدۂ شکر بجا لائیں اور اپنی (LAPSES) کا اندازہ کر کے ان کا ازالہ کر سکیں۔

غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ کام تنہا مدرسہ نہیں کر سکتا۔ تنہا والدین بھی نہیں کر سکتے۔ مگر اس کی داغ بیل قرآنی فلسفۂ تعلیم اور قرآنی تدریسی نظام ڈالے گا جس میں فکر اور احساس کی تعلیم اور تربیت کے تمام سرچشمے پیغامِ خداوندی سے پھوٹیں گے۔ جہاں علم کو ایک ایسی وحدت سمجھا جائے گا جس کے بیسیوں پہلو ہوں اور کوئی پہلو اپنی افادیت اور نوعیت میں ہیچ متصور نہ ہو۔ ہر شخص کی اپنی اپنی استعداد ہوتی ہے۔ اسی کے مطابق وہ علم کے کسی ایک پہلو کو چن لیتا ہے یا چن لینے کا حق رکھتا ہے۔ یہی اختیار اور لگن کسی کو ریاضی دان بنا دیتے ہیں تو کسی کو صاحبِ فکر۔ اکتسابِ علم ذاتی سعی کا ثمر ہوتا ہے۔ اور اعترافِ عجز اکتسابِ علم کا سب سے مؤثر وسیلہ۔ آجکل کے SPECIALISATION کے زمانے میں علم کے سبھی پہلوؤں پر قدرت حاصل کرنا بعید از قیاس ہے۔

مگر علم خواہ سائنس کا ہو یا جمالیات اور اخلاقیات کا، اسے حاصل کرنے کا بنیادی عمل ایک ہی ہے۔ عناصر الگ الگ ہو سکتے ہیں۔ جو شخص بھی فن کے اندر ڈوب جاتا ہے وہ سراغِ زندگی پا لیتا ہے۔ ریاضی دان بھی فن کے اندر ڈوب کر ابھرتا ہے اور صاحبِ فکر کا سینہ بھی فن کے اندر ڈوب کر ہی روشن ہوتا ہے۔ فن کی گہرائیوں میں ڈوب کر ابھرنے کے لئے شب بیداری ہی کافی نہیں۔ پیچ و تابِ جاودانہ کی صورت بھی ہوتی ہے۔ البتہ نظریاتی اسلامی ملک میں یہ احتیاط لازم ہوگی کہ نوجوان نسل میں تاریخی اور معاشرتی علوم کے لئے جو کشش یا عدم دلچسپی ہو اس میں اعتدال ہے۔ بے اعتدالی اپنے سے مختلف لگاؤ رکھنے والے کا احترام کرنے کا حوصلہ باقی نہیں رہنے دیتی۔ صحیح استدلال کی عادتیں راسخ نہیں ہونے دیتی۔ کردار کے جذباتی محرکات کو سمجھنے کا سلیقہ پروان نہیں ہوتا۔ شک و شبہ راہ کا سنگِ گراں بن جاتا ہے۔ علم و نور کا وسیلہ نہیں بنتا۔ رفتہ رفتہ تجسس کا جذبہ سرد پڑ جاتا ہے۔ اس لئے نظریاتی ملک میں اس بات کا بھی اہتمام کرنا ہوگا کہ نوجوان جب عمرانیات، نفسیات، اخلاقیات، منطق یا دیگر علوم سے روشناس ہوں تو ہم عصر فکری تحریکوں کا مطالعہ ان میں اپنے تہذیبی ورثہ اور لسانی روایات کی پاسداری کا احساس پیدا کرے اور وہ حسنِ فکر کے ساتھ حسنِ احساس کی ضرورت مندی کا شعور حاصل کر سکیں۔ حسنِ فکر اور حسنِ احساس سے ہی حسنِ اظہار اور عمل کی قندیل روشن ہوتی ہے۔ متوازن راستے پر زندگی کا جذبہ ابھرتا ہے۔ عجلت سے احتراز کا وصف پیدا ہوتا ہے۔ نئی نسل لب و لہجہ کی تلخی سے بھی بھی بچ سکے گی جب وہ زبان و خیال کے باہمی رشتوں سے واقف ہوگی۔ مختصراً یوں کہئیے کہ پاکستان میں تعلیم اور تدریس کی صحیح فضا جب پیدا ہوگی جب یہاں کے تعلیمی پروگرام کی اساس ان راہنما اصولوں پر رکھی جائے گی جو بحیثیت فرد اور قوم پاکستانیوں کے فکر کو راہ دکھائیں۔ ان کے احساس کی تربیت کریں اور ان میں عمل کی شمع فروزاں کریں۔ اور ایک ایسا جامع نظامِ تعلیم مرتب ہو جاتا ہے کہ ہر فرد اپنی اپنی جسمانی صلاحیتوں اور ذہنی قابلیتوں کو پروان چڑھا سکے۔ اور وہ فرائض سر انجام دے سکے کہ تمام پاکستانی ایک روشن خیال، بالغ نظر، بامقصد اور خوش عمل قوم بن سکیں۔ چنانچہ میرے نزدیک نظریاتی اسلامی مملکت میں تعلیمی مقاصد کا ذہنی عمل کی تینوں سطحوں یعنی ادراکی، احساسی اور عملی سطحوں پر جو تجزیہ ہوگا وہ کچھ یوں ہوگا۔ ادراکی سطح پر بچوں کو باور کرانا ہوگا کہ وہ ایک مملکت کے بچے ہیں جو اسلامی ہے۔ اسلام ان کا دین ہے۔ وہ ایک خدا کو مانتے ہیں جو رب العالمین ہے۔ اسی کی اطاعت اور پیروی کرتے ہیں۔ کسی اور کو اپنا رب نہیں مانتے ہیں اور نہ اس کے سامنے جھکتے ہیں۔ ماسوائے اپنے رب کے کسی سے خوف بھی نہیں کھاتے۔ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے وہ خدا کی ملکیت ہے جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے۔ انسان صرف اس کی املاک کا امین ہے۔ سبھی انسان بحیثیت انسان برابر ہیں۔ رنگ، نسل اور دنیاوی وجاہت وجہِ امتیاز نہیں۔ افضل وہی ہے جس کے اعمال اور اخلاق اچھے ہیں۔ دنیا عمل کا میدان ہے۔ یہاں سربلندی انہی کو ملتی ہے جو قرآن کی تعلیمات میں غور کرتے ہوئے ایک دوسرے کی نشو و نما کے ذمہ دار بن جاتے ہیں۔ اس کے بعد ایک دن ایسا بھی آئے گا جو حساب کتاب کا دن ہوگا۔ اس دن بھی وہی سرخرو ہوگا جس نے اس دنیا میں اپنے تمام ارادوں کو خدا کے احکام کے سامنے جھکا دیا ہوگا اور تمام تر حسن و خوبی سے باہمی معاملات میں میانہ روی اختیار کی ہوگی۔ محنت مند رہنا ایک اہم ضرورت ہے۔ علم حاصل کرنا ایک مقدس ترین فرض ہے اور سچ بولنا بہت بڑی ذمہ داری ہے۔۔۔

عدل و احسان، اجتہاد، تحقیق و جستجو، آزادیِ فکر اور مسلسل جدوجہد ذہنی تربیت اور انفرادی و معاشرتی بہبود کے مختلف ذریعے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر ان بچوں کو یہ یقین کرانا ہوگا کہ وہ ایک ایسی قوم کے بچے ہیں جسے خدا نے تمام بنی نوعِ انسان کی فلاح کا فریضہ سونپا ہے۔ یہ فریضہ اتنا ہی عرصہ پورا ہوا یا پورا ہوگا جتنا عرصہ ان کے دل و دماغ پر قرآنی احکام اور اصول حکمرانی کریں گے۔ ان سے روگردانی کا صلہ ہمیشہ تیرہ بختی اور رسوائی ہوگی۔

(AFFECTIVE) احساسی سطح پر بچوں میں وطن کی حفاظت اور سالمیت کا جذبہ پیدا کرنا ہوگا۔ نوجوانوں میں اسلام کے مطابق رہنے سہنے کے طور طریقوں کو اپنانے کا شوق دلانا ہوگا۔ ایسی قدروں کی عظمت اور فروغ کا جذبہ استوار کرنا ہوگا جو ایک فرد کو دوسرے کی عزت کرنا سکھائیں، اور زندہ رہو اور زندہ رہنے دو کے رموز سے واقف کرا سکیں۔ دین کے ذہنی لگاؤ کو جذباتی لگاؤ میں یوں ڈھالنا ہوگا کہ خدا کو لائقِ سجود سمجھنے، حکیمِ مطلق ماننے، حساب کتاب کے دن اور ہر شے کا مالک جاننے اور اسی کو اپنا رب تصور کرنے کا لازمی نتیجہ وہ جذبات ہوں جن سے سرشار ہو کر پاکستانی بچے یا نوجوان خود بخود ان کاموں میں دلچسپی لینے لگیں جو نہ صرف ان کے اپنے لئے بلکہ دوسروں کے لئے بھی باعثِ اطمینان و انبساط ہوں۔ خیر کے انہی جذبات کو نت نئے موڑ دینا ہوں گے کہ ہر انسان کی عزت اس لئے کی جائے کہ وہ انسان ہے۔ اور بحیثیت ایک پاکستانی ہر بچہ یہ محسوس کرے کہ ماسوائے خدا کے کوئی کسی کا رازق نہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ امتِ وسطیٰ کے فرد ہونے کی حیثیت سے پاکستانی نوجوانوں کی یہ انفرادی اور سماجی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام دنیا سے نہیں تو کم از کم اپنے ملک سے غربت، جہالت، تنگ نظری، حسد، کینہ اور تعصب دور کریں نہ کسی سے زیادتی کریں اور نہ اپنے اوپر زیادتی ہونے دیں اور نہ کسی کی رعایت کریں تاکہ کوئی کسی کا محتاج نہ ہو سکے۔ چونکہ ایمان کی پختگی اور احساس کی صداقت کا نتیجہ عمل ہی سے نکلتا ہے اس لئے پاکستانی بچوں کی روزانہ زندگی میں ان فعالیتوں کا اہتمام کرنا ہوگا جو ان ایقان اور احساسات کی عملی تفسیر ہوں۔ چنانچہ CONATIVE سطح کے لئے کچھ ایسے اقدامات کرنا ہونگے کہ پاکستانی بچے اپنے ملک کے میدانوں، وادیوں، پہاڑوں، دریاؤں سے روشناس ہو سکیں۔ ان کے متعلق معلومات حاصل کر سکیں۔ ان کی حفاظت کر سکیں۔ اندرونِ ملک تاریخی، ثقافتی اہمیت کی عمارتوں، عبادت گاہوں، سیرگاہوں، جنگلوں اور قدرتی مناظر کو آنکھوں دیکھ سکیں۔ ان کے حسن و جمال سے محظوظ ہو سکیں تاکہ مظاہرِ قدرت میں جو توازن و خوبصورتی ہے اس سے واقف ہو کر اپنی شخصیت اور کردار میں حسن پیدا کرنے کی اہمیت کا اندازہ کر سکیں۔ انہیں قائداعظم اور دیگر پاکستانی لیڈروں کے سوانح حیات سے یوں متعارف کرایا جائے کہ وہ خود دیکھ سکیں کہ اتحاد، یقین اور عمل کیسی کیسی سنگلاخ راہوں کو ہموار کر دیتے ہیں اور کس طرح ہر آدمی کے اعمال خود اپنا بدلہ اور نتیجہ بن جاتے ہیں۔ اور منافقت، بے غیرتی، بے حمیتی، خوشامد، خود غرضی کیا گل کھلاتی ہیں۔ مشاہیرِ عالم کی زندگیوں کے حالات انہیں اس طور دکھلائے جائیں کہ وہ جان سکیں کہ کوشش کے بغیر کسی کو کچھ نہیں ملتا اور مسلسل جدوجہد کیونکر کامیابی سے ہمکنار کر دیتی ہے تاکہ ان کی اپنی زندگیاں عمل اور اشتراک و تعاون کا نمونہ بن جائیں۔ انہیں تعلیمی ماحول میں ایسے (SITUATIONS)

میں ڈالنا ہوگا کہ وہ سہل انگاری اور عیب جوئی سے اجتناب کریں۔ خود ضبطی ان کا شیوہ ہو جائے۔ دیانت داری ان کی گھٹی میں پڑ جائے۔ کم گوئی، ملنساری اور ایفائے عہد ان کے روز مرہ کے اوصاف ہوں۔ سچ بولنا اور شائستہ گفتگو کرنا ان کا عام وطیرہ ہو۔ تعلیمی اور تدریسی اوقات میں ان کی جسمانی ورزش کا اہتمام کرنا ہوگا۔ روزانہ حاضری کے دستور کو بدلنا ہوگا۔ کتابوں کے ازبر کرنے کے رجحان کو روکنا ہوگا۔ کتابیں اس طور تحریر کرنا ہوں گی کہ وہ تنقیدی سوچ کا وسیلہ بن سکیں۔ ان کا مقصد سوالوں کا جواب دینا کم اور جوابات تلاش کرنے کی ترغیب دینا زیادہ۔

اوائل عمر سے ہی کتب بینی کا شوق پیدا کرنا ہوگا۔ مطالعے کے صحیح طریقوں کو رائج کرنا ہوگا۔ امتحان کے وقت نگرانی کے مروجہ طور طریقوں میں تبدیلی کرنا ہوگی۔ استاد اور شاگردوں کو مشترک مقاصد کے حصول میں مصروف کرنے کے لئے ایسے تدریسی اور تفریحی اسباق اور مشاغل وضع کرنا ہوں گے جو باہمی تعاون کا نمونہ ہوں۔ بچوں کی زائد جسمانی قوت کو مناسب DIRECTION دینے کے لئے اور ملک میں موجود ذریعہ ابلاغ کے مضر رساں اثرات سے ان کو محفوظ کرنے کے لئے مدرسوں، گھروں، کوچہ و بازار، کھیتوں باغوں، فیکٹریوں غرضیکہ ہر جگہ خدا خوفی ان کے اندر پیدا کرنا ہوگی اور خدمتِ خلق کے مواقع انہیں مہیا کرنا ہوں گے۔ ہر طرح کی فلاحی سرگرمیوں میں انہیں شریک کرنا ہوگا اور ان سے محنت و مشقت کے معمولی کام لینا ہوں گے تاکہ وہ محنت کی عظمت اور احترام سیکھ سکیں۔ مختصر یہ کہ انفرادی اور اجتماعی طریقوں پر اشتراکِ عمل اور خود احتسابی کے ہر ممکن موقع نہ صرف مدرسوں اور گھروں میں مہیا کرنا ہوں گے بلکہ روز و شب کے معمول میں اگر وہ ان سے دوچار ہوں تو ان کی تربیت انہیں یہ بنا سکے کہ الزام تراشی، دروغ گوئی، ستم رانی، عیب جوئی اور بلا تحقیق باتوں کو مان لینا اور دوسروں کے سہارے جینا اور مرنا کیونکر کسی فرد اور معاشرے کو فکر و عمل کی قوتوں سے محروم کر دیتا ہے۔

تعلیم کے مقاصد کے اس تجربے سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ احساس، فکر اور عمل جدا جدا اور الگ الگ کوئی چیز ہیں یا کوئی تعلیمی اور تدریسی نظام ان کی علیحدہ علیحدہ مؤثر تربیت کر سکتا ہے۔ برخلاف اس کے یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ جذبات میں سطحی پن اور خرد کی تہی دامنی اکثر ایک دوسرے کا پتہ دیتے رہتے ہیں۔ جذبات میں سطحی پن اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کوئی شخص فرسودہ اجتماعی تفریحات کا عادی ہو جائے اور دل و جان سے ان کا شیدائی ہو جائے۔ اس کی اپنی کوئی پسند نہ رہے۔ اجتماعی تفریح کا رسیا ہی متوالا اپنی نوجوان نسل میں فکر و احساس کی یہ نہج ڈالتا ہے کہ کتاب خریدتے وقت کتاب کا سرورق دیکھا جاتا ہے کہ وہ کتنی تعداد میں بک چکی۔ فلم دیکھنے سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ کتنے ہفتوں سے مسلسل دکھائی جا رہی ہے۔ یہی اندازِ فکر نوجوانوں میں اس میلان کو پختہ کرتا ہے کہ ہر مقبولِ عام شے ان کو بھا جاتی ہے۔ وہی گانا اس کو پسند آتا ہے جو ہر ایک کی زبان پر ہو۔ وہ اخبار ضرور پڑھا جائے گا جس کی سرکولیشن سب سے زیادہ بتائی جاتی ہو۔ نت نئے دن نئے لباس اور فیشن اور نئی نئی وضع قطع بھی اس تقلیدی ذہنیت کی غمازی کرتے ہیں۔

احساس کا یہی کھوکھلا پن اور فکر کی یہی نیم پختگی انہیں یہ سمجھنے ہی نہیں دیتی کہ سب میں رہ کر بھی انفرادیت قائم رکھی جا سکتی ہے۔ نظریاتی مملکت میں بھی تو سمجھنا ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا سے بالاتر کیسے رہا جاتا ہے۔ فکر اور احساس کا یہی بُعد نوجوان شعراء سے نجرد وسالک کے ایسے شعر تو کہلوا سکتا ہے جو مستعار جذبے کی چغلی کھائیں گے

مگر جو اپنی کوئی چھاپ ذہن پر نہیں چھوڑ سکتے۔ بات وہی جو دل میں اتر جائے۔ اور دل میں وہی بات اترتی ہے جو جذبات کی سچائی میں رچ کر نکلتی ہو اور فکر کی پاکیزگی سے دھلی ہو۔ ملتِ اسلامیہ کا فرد اس وقت ملتِ اسلامیہ کا فرد بنے گا جب ایک مسلم آنکھ سے آنسو بہے تو ساری مسلم آنکھیں تر ہو جائیں۔ راہِ حق میں ایک قدم اُٹھے تو سارے عالمِ اسلام میں اسکی بازگشت سنی جا سکے۔ اگر طلبا قوم کا مستقبل ہیں تو پھر تعلیمی اداروں میں انکے فکر اور احساس کی تعلیم و تربیت سے غفلت نہیں برتی جا سکتی۔ انکا مستقبل انہی اساتذہ کے ہاتھ میں دیا جا سکتا ہے جو انکے مسائل کو فکر اور احساس کے صحیح ترازو میں تول سکیں۔ پوری ذمہ داری سے ان کے سوچ و احساس کو جان سکیں، محسوس کر سکیں، ہمکلام ہو سکیں۔ ہمکلام ہونے کیلئے اکثر الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے اور زبان کی جڑیں جذبات کے اندر دور دور تک پھیلی ہوتی ہیں لہٰذا نظریاتی مملکت میں درس و تدریس کا اہتمام اسی ملک کی زبان میں کرنا ہوگا تاکہ ایسے نوجوان پروان چڑھیں جن کی شخصیتیں متوازن ہوں۔ شخصیت متوازن اسی وقت ہوتی ہے جب ہر شخص اپنی جگہ خود سوچے، خود محسوس کرے، اور جو کچھ کرے اسکی پوری ذمہ داری قبول کرے۔

ایک نظریاتی ملک میں فکر و احساس کی تعلیم جب تک طلبا میں یہ صلاحیت پیدا نہیں کرتی کہ وہ دیکھ سکیں کہ تجربے کے متعلق بات کرنے اور تجربے سے دوچار ہونے میں کیا فرق ہے وسیع القلب اور وسیع النظر نوجوان پیدا نہیں ہو سکتے۔ تجربے کے متعلق بات کرنے اور تجربے سے دوچار ہونے میں جو فرق ہے وہ سمجھانے کی بات کم ہے اور سمجھنے کی زیادہ۔ کیونکہ یہ فرق وہی سمجھ سکتا ہے جو یہ جانتا ہے کہ کسی واقعہ میں سے ہو کر گذرنا کیا ہوتا ہے اور اسکے متعلق کوائف گنوا دینا کیا ہوتا ہے۔ چڑیوں کا گھونسلے کو تنکے سنا اور دھرتی کا دھول اڑانا واقعات ہیں مگر تم ہو اس کیں میں ہم سے رہا نہ جائے وہی شاعر کہہ سکتا ہے جس پر یہ فکری اور احساسی کیفیتیں وارد ہو چکی ہوں۔ احساسات کے متعلق میری رائے کو اگر آپ مان لیں تو یہ آپکی رائے نہ ہوگی بلکہ یہ بات محض امرِ واقعہ ہوگی۔ وہ شاعر محض تک بندی رہتا ہے جس کی اپنی شخصیت میں حقیقی اور گہرے جذبات کی لو اور تپش نہ ہو۔ تغزل کے لئے محض زلف و یار کی بات کرنا ہی کافی نہیں گیسوئے کائنات سنوارنے کی سوچ بھی ضروری ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہیئے کہ پاکستانی بچوں کے فکر و احساس کی صحیح خطوط پر اسی وقت تربیت ہوگی جب تجربوں سے دوچار ہونے کے انہیں وافر امکان مہیا کئے جائیں۔ نظریاتی ملک تجربات کی نوعیت کا تعین کر سکتا ہے انکے تسلسل کا اہتمام بھی اسکے قابو میں ہو سکتا ہے مگر تجربات سے خود نبٹنے کی راہ میں کوئی اور چیز باہر سے حائل نہیں کرتا۔ اس ضمن میں اگر کوئی خارجی چیز حائل ہوتی ہے تو وہ فضا ہے جس میں وہ سانس لیتے ہیں یا وہ نظام جس کی اساس سوچے سمجھے اصولوں پر رکھی گئی ہو اور جس نے تدریسی لوازمات میں یہ راسخ کر دیا ہو کہ تعلیم اور تربیت افراد کے مابین ایک رابطہ ہے کوئی جلسے جلوس کی بات نہیں۔ اور یہ سکھا دیا ہو کہ یہ رابطہ اس وقت قائم ہوتا ہے جب شاگرد اور استاد دونوں کچھ سیکھنے سکھانے کے لئے آمادہ ہوں۔ شاگرد استاد کے سامنے زانوئے ادب تہ کرے اور استاد کا دامن شفقت سے بھرا ہوا ہو۔ معاشرے میں بزرگ اپنے عقائد کے مطابق گذر بسر کر رہے ہوں۔ الغرض یہ کہ پاکستان کے تعلیمی ماحول میں طالب علموں کے فکر و احساس کی تعلیم اور تربیت اسی وقت ہوگی جب دونوں قرآن کی زبان میں اور پرویز صاحب کے الفاظ میں "تم سوچا کرو۔ یونہی جذبات کی رَو میں نہ بہے چلے جایا کرو۔ سوچ سمجھ کر منزل کا تعین کرو اور پھر نہایت غور و خوض سے اس منزل تک پہنچنے کا پروگرام مرتب کرو اور اس کے مطابق سکون و ثبات سے قدم بڑھاتے جانبِ منزل رواں دواں چلتے جاؤ" کی جیتی جاگتی تصویر بن جائینگے۔

(باقی)

نایاب کتابوں کے نئے ایڈیشن

پرویز صاحب کے سلسلۂ معارف القرآن کی ابتدائی کتابوں اور ادارہ طلوعِ اسلام کی کچھ اور کتب کے سابقہ ایڈیشن ختم ہو چکے تھے۔ ان میں سے مندرجہ ذیل کے جدید ایڈیشن مصنف کی نظرِ ثانی کے بعد پھر سے شائع ہو چکے ہیں۔

ابلیس و آدم — یہ کتاب دین کے بنیادی تصورات پر مشتمل ہے۔ مثلاً انسان کی پیدائش اور کائنات میں اس کا مقام، قصۂ آدم اور نظریۂ ارتقاء، ملائکہ، ابلیس، شیطان اور جنات کی حقیقت۔ وحی کی غرض و غایت، ختمِ نبوت و منصبِ رسالت جیسے موضوعات کی بصیرت افروز تشریح۔

قیمت:۔ مجلد، گرد پوش:۔ پندرہ روپے ‎15/-‎ (علاوہ محصول ڈاک)

جوئے نور — یہ "ابلیس و آدم" کے سلسلے کی دوسری کتاب ہے۔ جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ تاریخ اور قرآن کا باہمی تعلق، اقوامِ سابقہ کی داستانوں کے بیان کا مقصد اور فلسفۂ تاریخ اور قرآنی نظریہ کا بنیادی فرق کیا ہے۔ ان تفصیلات کے بعد حضرت نوحؑ سے لیکر حضرت شعیبؑ تک کے انبیائے کرام کے تذکارِ جلیلہ، سابقہ قوموں کی تباہی کے اسبابِ عذابِ خداوندی، نظریۂ قومیت، ہجرت، معاشی نظام کی قرآنی تشریح۔ ایسے اہم موضوعات پر سیر حاصل بحث اور دل نشیں پیرایۂ بیان۔

(قیمت۔ مجلد گرد پوش۔ پندرہ روپے ‎15/-‎ ۔ (علاوہ محصول ڈاک)

اسلامی معاشرت — مفکرِ قرآن نے اس کتاب میں روزمرہ کی زندگی کے متعلق قرآنی احکام و ہدایات نہایت آسان اور دلکش انداز میں بیان کر کے بتلایا ہے کہ اسلام کسے کہتے ہیں اور قرآن کی رو سے مسلمانوں کا معاشرہ کس قسم کا ہونا چاہیئے۔ اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اگر ہمارے ابتدائی اسکولوں میں بطور نصاب شامل کر دی جائے تو قوم کی تقدیر بدل سکتی ہے۔

(قیمت:۔ چار روپے ‎4/-‎ ۔ (علاوہ محصول ڈاک)

طاہرہ کے نام خطوط — ایک شفیق باپ اور غمخوار معلم کی حیثیت سے جناب پرویز نے اس کتاب میں ملت کی طاہرہ بیٹیوں کو اپنے مخصوص مشفقانہ انداز میں مخاطب کیا ہے اور بتلایا ہے کہ دینِ خداوندی انہیں کس قدر بلند مقام عطا کرتا ہے اور مردوں کے دوش بدوش چلنے کی تاکید کرتا ہے۔ اس کتاب نے خواتینِ امت کے طرزِ نگاہ میں نہایت خوشگوار انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ قیمت:۔ ۷ روپے ‎7/-‎ (علاوہ محصول ڈاک)

عربی خود سیکھیے — اس کتاب کے دو ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ ختم ہو چکے تھے۔ تازہ ایڈیشن میں ہر باب کے ساتھ عربی لغت کے الفاظ کے اضافہ سے اس میں عربی زبان کے تقریباً تمام عام طور پر مستعمل الفاظ آ گئے ہیں۔ ہمارے نوجوانوں میں قرآن کریم کو خود سمجھنے کے لئے جو تڑپ پائی جاتی ہے اُس کی تسکین کے لئے یہ مختصر اور سہل کتاب نہایت مفید ثابت ہوگی۔ قیمت:۔ چھ روپے ‎6/-‎ (علاوہ محصول ڈاک)

ملنے کا پتہ

مکتبۂ دین و دانش چوک اردو بازار لاہور ● ادارہ طلوعِ اسلام ‎25‎ بی گلبرگ ۲ لاہور

طلوعِ اسلام کنونشن کا خطاب

قانون کا احترام

محترم حسن عباس رضوی

صدرِ محترم و معزز حاضرین و حاضرات۔ سلام و رحمت!

کسی چیز کے احترام کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کے مختص مقام کا لفظی اور معنوی ہی نہیں بلکہ عملی اعتراف کیا جاتا ہے۔ قانون ایک ضابطہ ہوتا ہے جس کا تعلق عملی زندگی سے ہوتا ہے۔ یعنی انسان ہر شعبۂ زندگی میں قانون کے مقرر کردہ قواعد و ضوابط، حدود و قیود، اوامر و نواہی اور احکامات و فرامین کے تابع رہ کر کام کرے۔ اس میں انفرادی، اجتماعی اور حکومتی سب مناسک و مناصب آجاتے ہیں۔

احترام کا مطلب

اس عمل کو قانون کا احترام کہا جاتا ہے اور اگر کوئی عمل اس کے برعکس ہو تو اس کو قانون سے فرار، اغماض، گریز اور اس کی تکذیب کہا جاتا ہے جو آخر الامر کلی انکار پر منتج ہوتا ہے۔ قرآن بھی ایک مجموعۂ قوانین ہے جو خالقِ کائنات کی طرف سے بذریعہ وحی عطا ہوا ہے۔ جو لوگ اس کا احترام کرتے اور اس کے مطابق عمل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو خلافتِ ارضی عطا کر دیتا ہے۔ اور جو لوگ قرآن کا احترام نہیں کرتے اور اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے، ان کے متعلق حکم ہے:-

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (۵/۴۴)

جو لوگ اس قانون (قرآن) کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے انفرادی اور اجتماعی فیصلے نہیں کرتے بلکہ حکومت قائم نہیں کرتے، وہ کافر ہیں۔

اور کفر کی سزا:-

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (۲۰/۱۲۴)

اور جس کسی نے خدا کے مقرر کردہ قانون (قرآن) کا احترام نہ کیا یعنی اس سے اعراض برتا تو اس کی معیشت تنگ ہو جائے۔ یہی نہیں بلکہ قیامت کے دن بھی وہ اسی حالت میں اٹھایا جائے گا۔

عام انسان تو کجا انبیاء کرام کی یہ کیفیت ہے کہ:

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۔ (۲۱/۲۷)

ان کے دلوں میں قانونِ الٰہی کے احترام کی یہ کیفیت ہے کہ وہ نہ تو بات میں اللہ کے قانون سے آگے بڑھتے ہیں اور نہ ہی جو دائرہ عمل ان کے لئے مقرر کیا گیا اس سے تجاوز کرتے ہیں۔

برادرانِ عزیز! جب ان کی یہ حالت ہے جن کی زندگیاں ہمارے لئے نمونہ قرار دی گئی ہیں کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی

قرآن سے مذاق

قانون کے احترام سے غافل نہیں رہتے، تو ہم کیسے قانون الٰہی سے اپنی وفاداری منقطع کر سکتے ہیں بلکہ قانون الٰہی کا جو مذاق اڑایا گیا اُس کی داستان ہم سے نہیں تاریخ کے اوراق سے پوچھئے غیر تو غیر انہوں نے بھی اُسے چیستان بنا دیا۔ عمل کا عجیب و غریب توجیہات بیان کی گئیں جن سے قرآن کا وہ مقام ہمیشہ کے لئے آنکھوں سے اوجھل ہو گیا جو مقام اس کا خالق کائنات نے مقرر کیا تھا۔ نہیں! ہم نے غلط کہا۔ قرآن کا تو وہی مقام ہے جو اس کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ ہم ہی اس مقام پر نہیں جو ہمارے لئے مقرر کیا گیا تھا۔

آگے بڑھنے سے پہلے میں آپ کی خدمت میں "عمل" کے چند نمونے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ کے مزاج پر گراں نہ گذریں۔ یہ ایک ایسے بزرگ کے رشحات قلم ہیں جو ہندوستان کے ارباب شریعت و طریقت میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ نمونے علوم دینیہ کے مرکز دیوبند شریف سے شائع ہونے والے رسالہ "خالد" سے لئے گئے ہیں جس کے مصنف صاحب موصوف ہیں۔ اوپر قرآن حکیم کی آیت ہے اور نیچے "فائدہ" یعنی "خاصیت" ترجمہ بھی آسانی کے لئے آیت کے نیچے دے دیا گیا ہے:-

(۱) فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ۔ (۲/۷۱)

ترجمہ:- پس انہوں (بنی اسرائیل) نے بچھڑا ذبح کیا حالانکہ اُن کا جی نہیں چاہتا تھا کہ ایسا کریں۔

خاصیت:- یہ آیت پڑھ کر خربوزہ یا کوئی چیز تراشئے تو انشاء اللہ تعالےٰ شیریں و لذیذ ہوگی۔

(۲) أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۔ (۳/۸۳)

ترجمہ:- کیا یہ لوگ اللہ کے قانون کی اطاعت کے علاوہ کوئی اور ضابطۂ حیات اپنے لئے اختیار کرنا چاہتے ہیں حالانکہ آسمانوں میں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے طوعاً و کرہاً اس کے قانون کے سامنے جھکا ہوا ہے اور سب کی گردش اُس کے محور کے گرد ہے۔

خاصیت:- اگر سواری کا کوئی جانور، گھوڑا، اونٹ سواری کے وقت شوخی اور شرارت کرے اور چڑھنے نہ دے تو اس آیت کو تین مرتبہ پڑھ کر اس کے کان میں پھونک دے۔ انشاء اللہ سیدھا ہو جائے گا۔

(۳) كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۔ (۱۸/۱۸)

ترجمہ:- اصحاب کہف کا کتا اپنے بازو پھیلائے غار کے منہ پر بیٹھا ہے۔

خاصیت:- اگر راستہ میں شیر یا کتا حملہ کرے اور شور مچاوے تو فوراً اس آیۂ کریمہ کو پڑھ لے۔ چپ ہو جائے گا۔

(۴) إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ ۝ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝ وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ ۝ وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ۔ (۸۴/۱-۴)

ترجمہ:- جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور اپنے رب کا حکم سن لے گا، اور وہ اسی لائق ہے۔ اور جب زمین کھینچ کر پھیلا دی جائیگی اور زمین اپنے اندر کی چیزوں کو اُگل کر خالی ہو جائے گی

خاصیت:- ان آیتوں کو لکھ کر ولادت کی آسانی کے لئے بائیں ران میں باندھ دے۔ انشاء اللہ تعالےٰ

بہت آسانی سے ولادت ہوگی مگر بعد ولادت تعویذ فوراً کھول دینا چاہیئے۔

(۵) فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۔ (۲/۱۳۷)

ترجمہ:۔ اللہ تعالٰے حضور کو تسلی دیتے ہیں کہ ان سرکش مخالفین کی فتنہ انگیزیوں سے گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اللہ ان سب کے خلاف تیرے لئے کفایت کرے گا۔ وہ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے

خاصیت:۔ جس سے حاکم ناراض ہو خفا ہو وہ اس آیت کو پڑھا کرے یا لکھ کر بازو پر باندھ لیوے۔ انشاء اللہ تعالٰے حاکم مہربان ہو جائے گا۔

(۶) هُوَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ (۵۹/۲۲)

(ترجمہ) اللہ کی ذات وہ ہے کہ جس کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں۔ وہ غیب و شہادت کا جاننے والا اور رحمٰن و رحیم ہے۔

خاصیت:۔ اسم اعظم اس میں مخفی ہے۔ جو کوئی صبح کے وقت سات مرتبہ پڑھے تو شام تک اسکے واسطے فرشتے دعائے مغفرت کریں۔ اور اگر اس دن میں مرے تو شہید کا درجہ پائے گا۔ اور اگر شام کو پڑھے تو صبح تک اس کے واسطے فرشتے دعائے مغفرت کریں۔ اور جو اس شب مرے تو درجہ شہادت پائے۔

(۷) اَلْقَيُّومُ

(ترجمہ) ایسا قائم کہ جسے اپنے قیام و بقا کے لئے کسی آسرے کی ضرورت نہ ہو۔

خاصیت:۔ اس کے پڑھنے سے کثرت سے نیند آتی ہے۔

(۸) اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

خاصیت:۔ اگر طالب و مطلوب کا نام مع نام والدہ کے لکھے اس کی محبت میں سرگرداں ہو بشرطیکہ جائز محبت ہو۔

(۹) مؤلف کتاب نے ایک اور دلچسپ وظیفہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

احقر کو مرشدی . . . . نے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر کوئی حاجت مند تعویذ وغیرہ لینے آوے۔ تو انکار مت کیا کرو۔ چنانچہ احقر کا معمول ہے کہ اس کی حاجت کے مناسب کوئی آیت قرآنی یا کوئی اسم الٰہی سوچ کر لکھ دیتا ہے اور بفضلہ تعالٰے اس میں برکت ہوتی ہے چنانچہ ایک بی بی کی مانگ باوجود کوشش بار بار کے سیدھی نہ نکلتی تھی۔ احقر نے کہا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ پڑھ کر مانگ نکالو۔ چنانچہ اس کا پڑھنا تھا کہ مانگ بے تکلف سیدھی نکل آئی۔ احقر نے یہ حکایت اس لئے عرض کی ہے کہ اور کوئی طالب بھی اس معمول کو اختیار کرے تو امید نفع و برکت ہے۔

ذرا سوچئے تو سہی کہ کیا یہ قرآن کا وہی مقام ہے جو مقام اللہ تعالٰے نے اس کے لئے مقرر کیا ہے؟ کیا کسی قانون اور ضابطے کی کتاب کے ساتھ کبھی ایسا سلوک کیا گیا جو قرآن سے روا رکھا گیا؟

مسلمانوں کا وہ آئین طبع مستقل بدلا
نجھی عربی، گیا قرآن، زبان بدلی تو دل بدلا

اس طرح خیر الامم آسودۂ ساحل ہو کر قلزمِ سراب میں کھو گئی !!

براد رانِ عزیز! اقوامِ عالم کے عروج و زوال کی داستانیں آج بھی قرآنِ حکیم کی دفتیوں میں محفوظ ہیں۔ جن لوگوں نے قانون کا احترام نہیں کیا، جنہوں نے خدا کی عطا کردہ نعمتوں کی ناسپاس گزاری کی اور خدا کے بتائے ہوئے راستہ سے سرکشی اختیار کی اُن سے وہ سب کچھ چھن گیا جو قانونِ الٰہی کی پیروی کرنے سے اُن کو ملا تھا۔ یہی نہیں بلکہ اُن پر دوسری قوم کو مسلط کر دیا گیا کیونکہ قانون عطا کرنے والے کا اعلان ہے۔

عذاب کی ایک شکل

وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم (۴۷/۳۸)

اگر تم نے ہمارے قانون کا احترام نہ کیا اور اس سے روگردانی کی تو سن رکھو کہ خدا کا قانونِ استبدال و استخلاف تمہاری جگہ ایک دوسری قوم کو لے آئے گا۔ جو تمہاری جیسی نہیں ہوگی۔

اور پھر کہا:۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِن قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَأَنشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ (۲۱/۱۱)

اور ہم نے کتنی ہی ایسی قوموں کو تباہ کر دیا جنہوں نے میرے قانون کا کوئی احترام نہ کیا اور اسے مضحکہ بنا دیا تھا۔ اور اس طرح اُن کی جگہ دوسری قوموں کو لا کھڑا کیا۔

فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ (۴۷/۱۳)

اور انہیں اس انجام سے کوئی نہ بچا سکا۔

سامری صفت سیاستدان

یہ تو تھا قوموں کا بحیثیت قوم استبدال و استخلاف۔ لیکن ایک ہی قوم اور ایک ہی ملک کے اندر اقتدار و اختیار کا استبدال و استخلاف ہوتا رہتا ہے۔ وہ اس طرح کہ کچھ لوگ مروجہ انتخابات کے ذریعہ اسمبلیوں میں چلے جاتے ہیں۔ پھر جس پارٹی کی اکثریت ہوتی ہے وہ وزارتوں کی صورت میں عنانِ حکومت سنبھال لیتی ہے۔ کچھ عرصہ بعد نئے انتخابات ہوتے ہیں جس کے نتیجہ میں ایک دوسری جماعت اکثریت حاصل کر لیتی ہے۔ پہلی پارٹی چونکہ شکست کھا جاتی ہے اس لئے اس کی وزارت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کو عرفِ عام میں حکومت کا بدلنا کہا جاتا ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ ایک جماعت جو کل اتنی مقبول تھی اور اس مقبولیت کی وجہ سے ووٹوں کی اکثریت سے برسرِ اقتدار آئی تھی آج اُسے کیا ہو گیا جو یک دم عرش سے فرش پر آ گئی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ پارٹیوں کے پیشِ نظر صرف حصولِ اقتدار ہوتا ہے۔ اُس منشور کا نفاذ نہیں ہوتا جسے انہوں نے وضع کیا ہوتا ہے اور جس میں (JUGGLERY OF WORDS) کے ذریعہ عوام کو حسین فریب دیتے رہتے ہیں۔ قوم کے سادہ لوح عوام اِن بلند بانگ دعاوی کے ہوش رُبا طلسم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہر نئی حکومت کے ساتھ اپنی نئی نئی امیدیں باندھتے اور اس طرح اپنے آپ کو فریب دیتے رہتے ہیں۔ مفاد پرست گروہ عوام کی اس سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر ان کی اس طرح "(BRAIN WASHING)" کرتے ہیں کہ نقص افراد کا ہے۔ افراد کے بدل جانے سے حالات سدھر جائیں گے اور اس طرح عوام کی توجہ کو اس طرف آنے ہی نہیں دیتے کہ نقص افراد کا نہیں بلکہ اس نظام کا ہے جس کے نمائندے یہ افراد ہیں۔ اس طرح سامری صفت سیاستدان عوام کو بہکا کر

تباہی کے گڑھے کے کنارے پر لا کھڑا کرتے ہیں۔ اس کیفیت کو قرآنِ حکیم نے کچھ اس طرح بیان کیا ہے:۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ کُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَھُمْ دَارَ الْبَوَارِ (۱۴/۲۸)

کیا تو نے اُن لوگوں کی حالت پر غور نہیں کیا جنہیں اللہ تعالےٰ نے اتنی بڑی نعمت سے نوازا تھا لیکن انہوں نے اس کی ناسپاس گزاری کی اور اپنے کاروانِ ملت کو اس منڈی میں جا اُتارا جہاں اس جنس کا سدا کا کوئی خریدار ہی نہیں۔

وہ منڈی کونسی ہے؟

جَھَنَّمَ - (۱۴/۲۹)

برادرانِ عزیز! یہ کفرانِ نعمت کیا تھا سنئیے اور کلیجہ تھام کر سنئیے:۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا لِّیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِہٖ - (۱۴/۳۰)

انہوں نے کیا یہ کہ نام تو لیتے رہے قوانینِ خداوندی کا لیکن اس کے ہم پایہ ٹھہراتے رہے غیر خداوندی قانون کو تاکہ اس طرح لوگوں کو خدا کے تجویز کردہ راستے سے بہکا کر دوسرے راستہ پر ڈال دیا جائے۔

چلتا پھرتا قانون

تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ ہر پارٹی اپنا ایک منشور وضع کرتی ہے اور جب برسرِاقتدار آتی ہے تو اپنے مزاج کے مطابق قانون مرتب کرتی ہے۔ جب تک یہ پارٹی اقتدار پر رہتی ہے یہ قانون چلتا ہے۔ اور جونہی یہ پارٹی اقتدار سے محروم ہوتی ہے اس کا بنایا ہوا قانون کالعدم ہو جاتا ہے پھر جو دوسری پارٹی آتی ہے وہ اپنی خواہشات کے مطابق قانون بناتی ہے لیکن اس کے زوال کے ساتھ اس کے مرتب کردہ قانون کا بھی وہی حشر ہوتا ہے جو اس کے پیش رو کا ہوا تھا۔ یہ سلسلہ شکست وریخت جاری رہتا ہے اور قوم ایک مستقل آئین سے محروم رہتی ہے۔ مستقل آئین یا قانون کی کیفیت و ماہیت یہ ہوتی ہے کہ حکومتیں بدلتی رہتی ہیں قانون نہیں بدلتا۔ ہر حکومت اس قانون کی وفادار ہوتی ہے لیکن ہمارے دیکھنے میں تو یہ آیا ہے کہ ہر پارٹی اپنا قانون لے کر آتی ہے اور جاتے وقت اپنا قانون بھی اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ گویا:۔

جاتے ہوائے شوق میں ہیں اس چمن سے ذوق
اپنی بلا سے بادِ صبا اب کبھی چلے!

مستقل اور واحد اتھارٹی — خدا کا قانون

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے پارٹی ہو یا قوم، ملک ہو یا ملت، قانون وضع کرنے کا کسی کو بھی حق نہیں۔ اسلامی مملکت میں حقِ حکومت صرف خدا کو حاصل ہے اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (۱۲/۴۰) اور وہ اس حق میں کسی کو بھی شریک نہیں کرتا۔ لَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِہٖٓ اَحَدًا (۱۸/۲۶) خدا کی حکومت کا مطلب خدا کے قانون کی حکمرانی بالفاظِ دیگر اسلامی مملکت میں اقتدارِ اعلیٰ یعنی (SOVEREIGNTY) اور (SUPREME CONTROL) یعنی اختیارِ مطلق صرف قانونِ الٰہی یعنی القرآن کو حاصل ہے۔ باقی سب بندگانِ آذری!! اربابِ حکومت صرف اس قانون کے نفاذ کا اہتمام کرتے ہیں، یا جزئی قوانین زمانے کے تقاضوں کے مطابق وضع کرتے ہیں بشرطیکہ اصل اصول

سے انحراف نہ ہو کیونکہ

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۔ (۶/۱۱۶)

خدا کا قانون ہمہ جہت صدق و عدل سے مکمل ہو گیا اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

تبدیلی تو کجا خدا کے قانون کے ساتھ کسی دوسرے قانون کی پیوندکاری بھی شرک ہے۔ لہٰذا انسان شرک، تکذیب اور کفر کا اس وقت مرتکب ہوتا ہے جب اس میں قانون کا احترام اور اس سے وفاداری کا جذبہ باقی نہیں رہتا اور اس سے سرکشی اختیار کرنے کے لئے حیلوں اور بہانوں کا سہارا لیتا ہے۔ قانونِ الٰہی یعنی قرآن کے خلاف اس سازش

سرمایہ داری کی سازش

کا سہرا سرمایہ دارانہ نظام کے سر ہے جس نے اپنی گرفت کو مضبوط کرنے کے لئے اس قسم کے واقعات ہماری کتب روایات میں شامل کر دیئے کہ جنہوں نے ہماری بساط الٹ کر رکھ دی۔ اس سلسلہ میں آپ حضرات کے سامنے میں ایک مثال پیش کرنا چاہتا ہوں جس سے یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ سرمایہ دارانہ نظام کس طرح قرآن کے خلاف ایک عظیم سازش ہے۔

رفقائے رسولؐ پر بہتان

قرآن کسی کے پاس فاضلہ دولت جمع نہیں ہونے دیتا کیونکہ نظامِ سرمایہ داری کی اصل و بنیاد فاضلہ دولت ہے۔ وہ روپیہ جمع کرنے والوں کو دوزخ کا ایندھن بتاتا ہے یعنی:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۔ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ (۹/۳۵)

جو لوگ چاندی اور سونا جمع کرتے ہیں اور اسے ربوبیتِ عامہ کے لئے کھلا نہیں رکھتے تو انہیں المناک تباہی کی خبر دے دے۔ جب اس دولت کو جہنم کی آگ سے تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیاں، ان کے پہلو اور ان کی پشت پر داغ دیا جائے گا۔ اور ان سے کہا جائے گا یہ ہے وہ دولت جسے تم نے اپنی ذات کے لئے جمع کر رکھا تھا۔ لہٰذا جو کچھ تم اس طرح خزانہ بنا کر بیٹھ گئے تھے اب اس کا مزہ چکھو۔

بات بالکل صاف ہے۔ اس میں کسی ابہام و تشکیک کی گنجائش نہیں کہ

چیست قرآں؟ خواجہ را پیغامِ مرگ

مگر عقلِ حیلہ جو کب ہار ماننے والی تھی۔ آگے بڑھی اور یہ مژدہ جانفزا سنایا کہ:

یہ آیت اپنے عموم کی بنا پر کم یا زیادہ ہر صورت میں مال جمع کرنے پر وعید سناتی ہے صحابہ کبار نے اس بارے میں اضطراب سا محسوس کیا لیکن رسول اللہؐ نے ان کے اضطراب کو یہ فرما کر دور کر دیا اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَفْرِضِ الزَّكٰوةَ اِلَّا لِيُطَيِّبَ مَا بَقِيَ مِنْ اَمْوَالِكُمْ فَكَبَّرَ عُمَرُ ۔ بلاشبہ اللہ تعالےٰ نے زکوٰۃ فرض نہیں کی ہے مگر اسلئے کہ وہ اس کے ذریعہ بقیہ مال کو پاک کر دیتا ہے۔ اس موقعہ پر حضرت عمرؓ نے خوشی کے مارے نعرہ تکبیر کہا۔

(ترجمان القرآن۔ اپریل ۱۹۵۵ء)

مودودی صاحب نے جس روایت کا سہارا لیا وہ یوں ہے :-

ابن عباس کہتے ہیں کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ ..... تو مسلمانوں پر اس کا خاص اثر ہوا یعنی انہوں نے اس حکم کو گراں خیال کیا۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا میں تمہاری فکر دور کر دوں گا اور اس مشکل کو حل کر دوں گا۔ پس حضرت عمرؓ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یا نبی اللہ! یہ آیت آپکے صحابہؓ پر گراں ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے زکوٰۃ اس لئے فرض کی ہے کہ وہ تمہارے باقی مال کو پاک کر دے ..... ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ بیان سن کر حضرت عمرؓ نے جوشِ مسرت سے اللہ اکبر کہا۔

(مشکوٰۃ - جلد اول - کتاب الزکوٰۃ)

مذکورہ بالا روایت یہ تاثر دیتی ہے کہ :-

(ا) "معاذ اللہ" صحابہ کبار اور رفقائے رسالت مآب سرمایہ داروں کی جماعت تھی۔

(ب) اِن کے دل میں "پناہ بخدا" احکاماتِ الٰہی کے احترام اور وفاداری کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔

(ج) اُن پر مذکورہ بالا حکم گراں گذرا۔

(د) سال کے بعد اڑھائی فیصد رقم بطور زکوٰۃ نکال دینے سے قارون جیسے خزانوں کا جمع کرتے چلے جانا، عین مطابق اسلام پاگیا۔

(س) نبی اکرمؐ نے صحابہؓ کی خواہش کے مطابق خدا کے حکم کو تبدیل کر دیا۔

جہاں تک تبدیلئ حکم کا تعلق ہے۔ آپ ذرا چودہ سو سال پیچھے عہد رسالت کی طرف لوٹئے اور اس منظر کو سامنے

رسولؐ کی اپنی کیفیت

لائیے جب منکرین قرآن نبی اکرمؐ کے خلاف ہر حربہ استعمال کر چکے اور اپنے مقصد میں ناکام ہو چکے تو سمجھوتے (COMPROMISE) پر اتر آئے اور حضورؐ سے کہا۔ چلئے ہم تمہاری سب باتیں مان لیتے ہیں۔ ہم تمہیں اپنا رہبر تسلیم کر لیں گے۔ یہی نہیں عرب کے تمام قبائل تمہاری سرداری قبول کر لیں گے۔ لیکن ہماری بھی ایک تمنا پوری کر دو۔ وہ یہ کہ :-

ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۖ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ - (۱۰/۱۵)

اس قرآن کی بجائے کوئی دوسرا قرآن لاؤ یا اس میں کچھ ردوبدل کر دو۔ اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ مجھے اس کا کچھ اختیار نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس میں ردوبدل کر دوں میں تو خود اس حکم کے تابع ہوں اور اس کا وفادار ہوں۔ جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے۔ اور اس احترام کی کیفیت یہ ہے کہ میں تو اس تصور سے بھی کانپتا ہوں کہ اپنے پروردگار کے حکم سے ذرہ برابر سرتابی کروں کیونکہ ایسا کرنے سے میں خود بھی خدا کے عذابِ عظیم سے بچ نہیں سکوں گا۔

برادرانِ عزیز! ملاحظہ کیجئے اس منصب رسالت کو جو مذکورہ بالا آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ جو ذات خدا کے حکم کے ردوبدل کے تصور سے بھی کانپتی ہے اور اپنی نجات کا ذریعہ اس کی پیروی بتاتی ہے۔ اس کے متعلق یہ کیسے مان لیا جائے کہ اس نے خدا کے کسی حکم میں ردوبدل کر دیا۔ جب کہ وہ خود کہتا ہے کہ مجھے ایسا کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ برادرانِ عزیز! جو لوگ قانون کا احترام کرتے ہیں وہ اس میں کیڑے نہیں ڈالتے اور نہ ہی اس کا حلیہ بگاڑتے ہیں بلکہ وہ قانون کو حرفِ آخر سمجھتے اور اس کی پیروی کرتے ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ سورۂ توبہ کی آیت کا حکم "مسلمانوں" خاص کر صحابہ کبار پر گراں گذرا۔ تو اس سلسلہ میں

مومن پر خدا کا حکم گراں نہیں گذرتا

عرض ہے کہ مومن کے جو صفات قرآن حکیم نے بیان کئے ہیں ان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مومن وہ ہے جس پر خدا کے قانون کا فیصلہ کسی صورت میں گراں نہیں گذرتا اور وہ اس کو اس طرح تسلیم کرتا ہے جس طرح تسلیم کرنے کا حق ہوتا ہے اس ضمن میں ارشاد ہوتا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا - (۴/۶۵)

خدا اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں کہلا سکتے جب تک اپنے اختلافی امور میں تجھے حکم نہ ٹھہرائیں۔ اور جو فیصلہ تیری طرف سے صادر ہو اس کے سامنے اس طرح سر تسلیم خم کریں جس طرح تسلیم کرنے کا حق ہوتا ہے اور اپنے دل میں کسی قسم کی گرانی محسوس نہ کریں۔

جو فیصلے قانون کے مطابق ہوتے ہیں ان میں نہ تو فیصلہ کا اعلان کرنے والے کے جذبات کو دخل ہوتا ہے اور نہ ہی عوام کی خواہشات کو کیونکہ اصل حکم یعنی (AUTHORITY) تو خدا کا قانون ہوتا ہے۔ اسی لئے فیصلہ کا اعلان کرنے والے کو اس طرح پابند کر دیا گیا کہ

فیصلہ کی اساس

فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ - (۵/۴۸)

(اے محمد!) اب جبکہ قرآن تمہارے پاس آگیا فیصلے اس کے مطابق کرنا ہوں گے، جو قرآن کہے۔ اس کے مطابق نہیں جو عوام کہیں۔

برادرانِ عزیز! تصریحاتِ بالا سے صاف ظاہر ہے کہ قانون کا احترام عوام پر ہی واجب نہیں۔ بلکہ انبیاء کرام بھی اس کے پابند ہوتے ہیں۔ اور ہر رسول یہ کہتا ہے کہ:-

أَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ.

سب سے پہلے میں اس قانون کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہوں اور اس کی وفاداری کا حلف اٹھاتا ہوں۔

ذرا سوچئے کہ اگر قانون کی قوت نافذہ ہی اس قانون کا احترام نہ کرے تو عوام سے وہ اس کے احترام کا تقاضا

کس طرح کر سکتی ہے۔ پھر یہی ہوتا ہے "چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی"۔ اور اس کا نتیجہ "LAW OF JUNGLE" کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جہاں ہر طرف وحشت و بربریت اور تخریب ہی تخریب نظر آتی ہے۔ نہ اخلاق کی پاسداری نہ شرفِ انسانیت کا احترام!!

کفر کی ایک اور شکل

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ بین بین چلتے ہیں یعنی ایک حصۂ قانون کو اپنا لیتے ہیں اور دوسرے حصے سے صرفِ نظر کر لیتے ہیں۔ لیکن ضابطۂ خداوندی کے تحت یہ بھی جرمِ عظیم ہے۔ ایسا کرنے والوں کو خدا جھنجھوڑ کر کہتا ہے۔

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ۔ (۲/۸۵)

کیا تم قانونِ الٰہی یعنی قرآن کے ایک حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور اس کے دوسرے حصے سے انکار کرتے ہو۔ یعنی ایک حصہ پر عمل کرتے ہو اور دوسرے کو چھوڑ دیتے ہو۔ سن رکھو! اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتا کہ ایسی قوم کی اس دنیا کی زندگی بھی رسوا کُن اور آخرت کی زندگی بھی اندوہناک تباہیوں سے لبریز۔ دنیا میں بھی ذلت اور آخرت میں بھی رسوائی۔

خدا بھی اپنے مقرر کردہ قانون کا احترام کرتا ہے اور اُس کا پابند ہے!

انسانوں کی دنیا سے آگے بڑھ کر اب خالقِ کائنات کی طرف آیئے۔ اس گوشے سے متعلق بھی لوگوں کا کچھ عجیب و غریب ہی نظریہ ہے۔ یعنی

اوہنے کی پرواہ اے راتیا اوہنے بے پرواہیاں
بخشے عملاں والیاں نوں چھڈے او گنہاں دوں

آپ ہی ذرا سوچئے کہ LAWLESSNESS کی اس سے زیادہ بھی کہیں مثال ملتی ہے۔ یعنی خدا کسی قاعدے قانون کا پابند نہیں۔ جو چاہے کرے اور جس طرح چاہے کرے لیکن برادرانِ عزیز! قرآن کا خدا ایسا نہیں۔ قرآن کا خدا سب سے پہلے آپ اپنے قانون کا احترام کرتا اور اس کی پابندی کرتا ہے۔ اور پھر لوگوں سے اُس قانون کے احترام کا تقاضا کرتا ہے۔ اس نے کہا۔

خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا۔ (۲۵/۲)

اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر اس کے لئے ایک قانون اور اندازہ مقرر کیا

اس کے بعد۔

وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا۔ (۳۳/۳۸)

خدا کا اپنا قانون بھی پیمانوں کا پابند ہو گیا۔

انسانی بچے کی پیدائش کا یہ قانون مقرر کیا کہ وہ مرد اور عورت کے ملے جلے نطفے سے پیدا ہوتا ہے خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ

مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ - (۷۶/۲) دوسرے الفاظ میں انسانی بچہ مرد اور عورت کی مقاربت سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس پر دلیل خدا کی وہ شہادت ہے جو اس نے انسانی سطح پر اتر کر دی ہے۔ وہ یہ کہ یہودی حضرت عزیر کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اگرچہ خدا کے وجود کا اس قسم کا تصور ہی غلط ہے کیونکہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔ اس کی مثل کوئی شے نہیں۔ تاہم بات سمجھانے کی خاطر اللہ تعالیٰ انسانی سطح پر اتر کر کہتا ہے۔

اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ - (۶/۱۰۱)

اللہ کے بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اس کی بیوی نہیں۔

دیکھا حضرات! کس طرح خدا اپنے مقرر کردہ قانون کا احترام کرتا ہے اور اس میں کسی قسم کا رد و بدل اپنے لئے بھی پسند نہیں کرتا۔ جس چیز کو وہ اپنے لئے پسند نہیں کرتا دوسروں کے لئے کس طرح جائز قرار دے سکتا اور ان کو ایسا کرنے کا اختیار دے سکتا ہے۔

عذاب کی سب سے مہیب اور نمایاں شکل

کائنات کی ابتداء کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے عالمِ آفاق اور عالمِ انفس دونوں کے لئے ان کی مناسبت کے لحاظ سے اندازے اور پیمانے یعنی مستقل قوانین مقرر کر دیئے جن میں کسی قسم کے تحول و تبدل کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ جس قوم نے ان قوانین کو نادرِ راہ بنایا وہ ٹھیک ہی جنت میں اس رفیع الشان مقام پر جا پہنچی کہ جسے دیکھ کر قصرِ ثریا کے مکیں بھی شرمائیں۔ اس کے برعکس جس قوم نے قانونِ الٰہی کا مذاق اڑایا اور اس سے سرکشی اختیار کی اور اس سرکشی میں بڑھتی ہی گئی تو خدا کا قانونِ مکافات اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور عصائے کلیمی کی ایک ہی ضرب نے اس فرعون صفت قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر رکھ دیا۔ اس قسم کے عذاب کی کئی شکلیں ہیں جن میں کچھ تو میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ لیکن ان میں سب سے نمایاں شکل وہ ہے جسے قرآن نے سورۂ انعام میں اس طرح بیان کیا ہے۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ - (۶/۶۵)

ان سے کہہ دو کہ اللہ کا یہ قانون بھی ہے کہ تمہارے عملِ بد کی سزا مختلف انداز میں وارد کرے کبھی تم پر اوپر سے ایسے جابر حکام مسلط ہو جائیں جو اپنے جور و ستم سے تمہیں روند ڈالیں یا کبھی معاشرہ کے عوام نظام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور اس طرح نظم و نسق کو تہ و بالا کر دیں یا تم (قوم) کو مختلف فرقوں اور پارٹیوں میں تقسیم کر دے جس سے یہ پارٹیاں آپس میں لڑنا بھڑنا شروع کر دیں۔ یہ ہیں باہمی جنگ و جدال اور انتشار کی وہ مختلف شکلیں جس سے معاشرہ میں فساد برپا ہو جاتا ہے اور اس طرح قوم سے حکومت و سلطنت چھین کر کسی دوسری قوم کے ہاتھ چلی جاتی ہے۔

ملک اور قوم کی موت (DISINTEGRATION) - کسی قوم اور کسی ملک کے [illegible] کا انتشار

(DISINTEGRATION) اور فساد کو قرآن نے موت سے تعبیر کیا ہے۔ اسی لئے تمثیلِ آدم کے ہیرو کو اللہ تعالےٰ نے خبردار کر دیا تھا کہ

لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (۲/۳۵)

دیکھو کہیں مشاجرت یعنی نفاق پیدا کر کے DISINTEGRATE نہ ہو جانا۔ اور جسدِ واحد کی طرح رہنا۔ مبادا تم مقامِ بلند سے نیچے گر جاؤ۔

تمثیلِ آدم نے اللہ کے حکم کا کوئی احترام نہ کیا اور اس کے خلاف عمل کیا تو ان سے ان کا مقام چھن گیا۔ ان کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا اور آپس میں سر پھٹول شروع ہو گئی۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۔ (۲/۳۶)

لیکن آپ جانتے ہیں کہ جب انسان کے LIFE CELLS منتشر یعنی DISINTEGRATE ہو جاتے ہیں تو انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب کسی ملک اور قوم کی DISINTEGRATION ہوتی ہے تو اس ملک اور قوم کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ یہ انتشار اس وقت پیدا ہوتا ہے جب قدرِ مشترک یعنی قانون کا احترام باقی نہیں رہتا۔ جب قانون کا احترام باقی نہ رہے تو مرکز اور قانون کی قوتِ نافذہ کا احترام بھی باقی نہیں رہتا اور وہ بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں۔ لیکن قرآن میں نہ تو اس قسم کے غیر مؤثر مرکز کا تصور ہے اور نہ ہی اس علامتی قوتِ نافذہ کا جواز جو سریر آرائے سلطنت تو ہو لیکن اُسے حقِ حکومت نہ ہو۔

WHO REIGNS BUT DOES NOT RULE

طلوعِ اسلام کا کردار

برادرانِ عزیز! اپنی سابقہ بارہ سو سالہ تاریخ پر نگاہ دوڑائیے اور ان حقائق پر جو میں نے آپ کے سامنے پیش کئے ہیں غور کیجئے تو آپ بیساختہ پکار اٹھیں گے کہ ارے دل! یہ تو اپنی داستان معلوم ہوتی ہے۔ پاکستان کی تاریخ کے پچیس سال بھی اس دھارے کا رُخ نہ موڑ سکے۔ حتیٰ کہ جس نظریہ کے تحت پاکستان حاصل کیا گیا تھا اس نظریہ کے نقوش بھی دھندلے پڑ گئے۔ بقول شخصے

قیدِ قفس کے بعد کرے گا قیدِ گلستاں کون گوارا
اب بھی وہی زنجیریں ہیں گو پہلی سی جھنکار نہیں

لیکن طلوعِ اسلام جس نے حصولِ پاکستان کی جدوجہد میں کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا تھا اپنی محنت کے حاصل اور مزرعِ شاداب کو اس طرح پامال ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ پچھلے پچیس برس سے "مرض" اور اس کے "علاج" کی مسلسل نشر و اشاعت کرتا چلا آ رہا ہے۔ طلوعِ اسلام کی تشخیص کے مطابق مرض قرآن سے لاتعلقی اور علاج تمسک بالقرآن ہے۔ وہ آج بھی اسی کٹھن راہ پر گامزن ہے اور شمعِ قرآنی کو اپنے نحیف ہاتھوں میں لئے یہ کہتے ہوئے رواں دواں ہے کہ۔

میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہوگا

وہ مخالفتوں کے سیلِ بے پناہ کو مفعاتِ کلیمی سے چیرتا ہوا ساحلِ مراد کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب اس کی آواز کوئی

نہیں دبا سکتا ہے

رہے نہ رند۔ یہ زاہد کے بس کی بات نہیں
تمام شہر ہے، دو چار دس کی بات نہیں

اُسے یقین ہے کہ اگر ایک دفعہ پھر امتِ مسلمہ کے سینے میں قانونِ الٰہی (قرآن) کے احترام کا جذبہ پیدا ہو گیا اور اس نے اپنے آئین کو مسلمان کر لیا تو تمام کائناتی قوتیں اُس کے قبضۂ تصرف میں آجائیں گی۔ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے اگر اب بھی قرآنی آئین رائج ہو گیا تو مشرقی پاکستان کیا دنیا بھر کی قومیں اس نظام کو اپنانے میں اپنی سعادت سمجھیں گی۔

اٹھا جو مینا بدستِ ساقی، رہی نہ کچھ تابِ ضبط باقی
تمام میکش پکار اٹھے، یہاں سے پہلے یہاں سے پہلے

آج سے چودہ سو برس پہلے ایک اُمّی قوم نے اس نسخۂ کیمیا کو آزمایا اور اس کی اتباع سے جو مقام اُن کو حاصل ہوا دنیا کی قومیں آج تک اُسے بطور نظیر پیش کرتی چلی آرہی ہیں۔ وہ نسخہ آج بھی اپنے مکمل اجزائے ترکیبی کے ساتھ موجود ہے فقط جراتِ رندانہ کی ضرورت ہے۔ آپ اسکے مقام کو تسلیم کیجئے وہ آپ کو آپ کا مقام لوٹا دیگا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

(پرویز)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ
إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ
جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

کوہ میں دشت میں لیکر ترا پیغام پھرے

بلوچستان کی پہاڑیوں سے قرآن کی آواز

[معلوم ہوتا ہے کہ حکومت بلوچستان نے کوئی لاء کمیشن مقرر کیا تھا تاکہ وہ صوبے کے مروجہ نظام قانون وعدل میں اصلاح کی سفارشات کرے۔ اس سلسلے میں وہاں کے ممتاز سیاسی راہنما، محترم عبدالصمد اچکزئی صاحب نے کمیشن کے سیکرٹری قاضی محمد عیسیٰ خان صاحب کو ایک خط لکھا جس کی نقل طلوعِ اسلام میں اشاعت کے لئے ارسال فرمائی۔ ہمارے دریافت کرنے پر انہوں نے لکھا ہے کہ جہاں تک لاء کمیشن کا تعلق ہے، اس خط کی اس وقت اشاعت کی افادیت نہیں رہی لیکن اس سے "مجانِ قرآن" سے تعارف کی حاجت پوری ہو سکتی ہے۔ یہ مقصد بھی بڑا خوش آئند ہے اور ہم اسی لئے اس خط کو بکمال مسرت شائع کر رہے ہیں۔ ہمارے لئے یہ حقیقت کس قدر باعثِ تشکر ہے کہ اب قرآن کریم کی آواز ملک کے ایسے دور دراز گوشوں سے بھی بلند ہو رہی ہے۔ ہم محترم اچکزئی صاحب کی خدمت میں پیغام خداوندی کی اس نقابت پر ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔

ہم خط کی عبارت کو من وعن شائع کر رہے ہیں تاکہ پٹھانوں کی اردو میں جو ایک فطری بے ساختہ پن ہوتا ہے وہ مسخ نہ ہو جائے اور قارئین اس سے لذت یاب ہو سکیں (جو بات پشاوری گڑ میں ہوتی ہے وہ مردان کی چینی میں کہاں؟)

اسی قسم کی بے ساختگی تھی جسے بحالہٖ رکھنے کی اہمیت کے پیشِ نظر بیدلؔ نے کہا تھا کہ

مژہ برہم مزن تا نشکنی رنگ تماشا را

(طلوعِ اسلام)]

محترم قاضی محمد عیسیٰ خان صاحب!

اسلام علیکم۔ خیر طلب بعافیت ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر لاء کمیشن کے وہ تمام خطوط نظر سے گزرے جن کے ذریعے کمیشن نے مجھے ان سے ملنے اور مشورہ دینے کی دعوت دی تھی۔ مگر ملاقات کا آخری وقت گذر چکا تھا۔

اطلاعاً عرض ہے۔

کوئی شخص اس وقت تک مسلمان ہو نہیں سکتا جب تک اپنی تمام زندگی اور معاملات بخوشی اللہ کے کتاب کے حوالے نہ کرے۔ اس لئے ہر مسلمان کی یہ خواہش ہونی چاہیئے اور میرا بھی ہے کہ اس ملک میں قانون کا سرچشمہ خدا کا

کتاب ہو اور تمام قوانین شرع محمدی کے مطابق ہوں۔

مگر یہ کام جس قدر خوش آیند ضروری اور مفید ہے افسوس ہے کہ ہم نام کے مسلمانوں خصوصاً ان مسلمانوں کے ہاتھوں جو خود کو علماء دین کہلاتے ہیں اس قدر آسان نہیں رہا ہے جتنا کہ سمجھا جا رہا ہے کیونکہ اس وقت تمام ملا صاحبان نہیں تو بیشتر کے نزدیک "شریعت" سے مقصود اور مراد صرف فصل مقدمات کے ایک حصہ کے لئے مسلمانوں کے فیصلوں کو بطور قانون و نظیر تسلیم کرنا اور فصل مقدمات کے اس حصہ پر موجودہ انگریزی طرز کی عدالتوں کی بجائے عربی زبان کی شُد بُد رکھنے والے ملاؤں کو قاضی مقرر کرنا اور ان سے مذکورہ پرانے نظائر کے مطابق فیصلے کرانا ہے کم و بیش وہی طرح جو آجکل سابق ریاست قلات میں مروج ہے۔

میں نہ تو مذکورہ بالا نظام کی ترویج کو "دین" یا شرع محمدی سمجھتا ہوں اور نہ سرے سے اس نظام کو قرآن کی رُو سے عین اسلام تو بجا ٹھیٹ اسلامی خیال کرتا ہوں کیونکہ قرآن کریم کتاب اللہ کے ایک حصہ کو ماننا یعنی اس پر عمل کرنا اور ایک حصہ کو نہ ماننا یعنی اس پر عمل نہ کرنے کو نہ کافی سمجھتا ہے اور نہ اچھا جس پر اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (۲:۸۵) کا قرآنی اعتراض گواہ ہے۔

دین اسلام ایک ایسی اکائی ہے جسے ردّ اور قبول کرنے کے لئے ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس نظام کا ہر حصہ دوسرے سے اس طرح جڑا ہوا اور وابستہ ہے کہ اُسے جدا کیا ہی نہیں جا سکتا۔ مثلاً اسلام خدا وند عالم کے نظامِ ربوبیت کا نقیب ہونے کے باعث مملکت کے خزانہ پر ملت کے ہر فرد کا حق خصوصاً سنق، اسباب معیشت، اور گذارہ کا حق تسلیم کرتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض جرائم کے سزا و جزا کا اس سے تعلق تسلیم کرتا ہے۔ یہاں تک کہ مروجہ حنفی مذہب ایک مسلمان کے ذمے واجب الادا جرمانہ و عوضانہ کو مملکت کے خزانہ سے ادا کیا جانا فرض قرار دیتا ہے جس کی سفارش کا نہ آپ کو حق ہے اور نہ آپ کی کمیشن کے ارکان اس کا تصور کر سکتے ہیں۔

مروجہ فقہی مذاہب میں نکاح و طلاق کے جو نظائر موجود ہیں ان کی ترویج کا تصور بھی نہ آج کے بلوچستان کا کوئی فرد کر سکتا ہے نہ یہاں کی حکومت اُسے لوگوں پر رائج کرنے کی استطاعت رکھتی ہے۔ مثلاً یہ کہ بچے کو دودھ پلانا اور اُسے پالنا پوسنا ماں کی بجائے باپ کی ذمہ داری اور فرض ہے یا یہ کہ ہر شخص پر اس کی بیوی کا حق ہے کہ اُسے رہنے کے لئے علیحدہ پردہ دار مکان مہیا کرے اور اس کے گذارہ و خرچ کے علاوہ اس کی خدمت۔ خرید و فروخت، لانے پکانے، سینے پرونے وغیرہ کا کام یا شوہر خود کرے یا اس کے لئے اُسے خدمتگار مہیا کرے۔ اگر ان حقوق میں کوتاہی ہو تو اس کے لئے عورت قاضی کی عدالت میں ان کے استقرار کا دعویٰ کر سکتی ہے اور قاضی اس کی داد رسی حتیٰ کہ طلاق تک دلانے کا پابند ہے۔ وغیرہ۔

ان تمام کے علاوہ اصل گرہ یہ آپڑی ہے کہ:-

"یہ اُمت روایات میں کھو گیا ہے"۔

اس لئے جس چیز کو خدا کی کتاب شرک یعنی سب سے بڑا اور ناقابلِ معافی جرم قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (۳۰:۳۱-۳۲) (ترجمہ) مشرک نہ ہو اور مشرک وہ لوگ ہیں جو اپنے دین کو علیحدہ علیحدہ کر دیتے ہیں اور فرقوں میں تقسیم ہو کر ہر فرقہ

صرف اُسی کو پسند کرتا ہے جو ان کے پاس ہوتا ہے۔ اسی چیز کو یہ لوگ اپنا دین بلکہ خدا کا دین سمجھتے ہیں۔ سنّی صرف اپنے فرقہ کے فقہ اور روایات کو دین سمجھتے ہیں۔ شیعہ اپنی کو اور اہلِ حدیث حضرات اپنے ورثہ کو دینِ خداوندی قرار دیتے ہیں۔ ان بڑے فرقوں کے علاوہ دوسرے بھی فرقے ہیں اور پھر ہر ایک میں بے شمار شکمی یا ضمنی فرقے ہیں جو صرف اپنے ہی مذہب اور اپنے ہی امام اور مقتدا کے پسندیدہ روایات کو دینِ خدا سمجھتے ہیں چاہے وہ صریحاً کتاب اللہ کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں۔

یہی سبب ہے کہ جب پاکستان کے پہلے مارشل لا۔ کے بعد فساداتِ پنجاب کی تحقیقات کے وقت جسٹس منیر کے کمیشن نے ملک کے بڑے بڑے مُلّا صاحبان سے مسلمان کی تعریف پوچھی تو زیر بحث تحریک میں ایک دوسرے کے ساتھیوں میں سے کوئی سے دو حضرات مسلمان کی تعریف کرنے پر متفق نہ ہو سکے اور حال ہی میں مولانا مودودی صاحب کو اعلان کرنا پڑا کہ قرآن و سنت کی بنیاد پر کوئی متفق علیہ آئین و قانون بن ہی نہیں سکتا ہے اور اسی وجہ سے حال ہی میں تعلیم جدید کے سلسلے میں سنّی اور شیعہ فرقے کے بچوں کے لئے علیحدہ علیحدہ مذہبی نصاب کا اصول تسلیم کرنا پڑا جو كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ کی منہ بولتی تصویر ہے۔

سطورِ بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت صوبائی حکومت کے بس میں سرے سے یہ کام ہے ہی نہیں کہ وہ اسلامی نظام یا شریعت کاملہ تو کجا اس کا نمونہ ہی رکھ سکے بشرطیکہ دین، شریعت اور اسلامی نظام کا مفہوم یہ نہ ہو کہ فصل مقدمات کے لئے چند ایک ایسی عدالتیں قائم کئے جائیں جن کے ہاتھ میں سابقہ ریاست قلات کی طرح مقدمات کے ایک شق (دیوانی) کے فیصلوں کا اختیار ہو اور ان کے سربراہ چند نیم خواندہ بلکہ اقبالؒ کے ملّائے جاہل قسم کے مولویوں کو لگایا جائے تاکہ ایک طرف تو اُن مولویوں کے چند جماعتیوں کے لئے روزگار مہیا کیا جائے جن کے فتووں سے موجودہ حکومت چل رہی ہے اور دوسری جانب ملک کے عوام خصوصاً پہاڑی علاقوں کے پشتونوں کو مزید اندھیروں میں دھکیلنے کیلئے ان کے ہاتھ میں یہ حربہ دیا جائے کہ وہ دیکھو مولانا مفتی محمود اور ان کے حواری اپنے انتخابی وعدوں کے مطابق شریعت محمدی اور بہشت کی کنجی حاصل کر کے لے آئے۔

کہا جاتا ہے کہ بلوچستان کے عوام نے ہر جگہ کمیشن سے شریعت محمدی کا مطالبہ کیا ہے لیکن افسوس کہ ان مطالبہ کرنے والوں کی جیرگے سے کسی نے یہ نہیں پوچھا ہے کہ کس قسم کی شریعت اور اُسے چلانے کے لئے کس قسم کے "قاضی"؟ کیا قلات کی طرح کا نظام؟ یا حقیقی اسلام؟ اور یہ کہ کیا آپ لوگ اپنے علاقہ بھر میں کسی بھی مولوی کو قاضی کے منصب کا اہل سمجھتے ہیں؟ یا یہ کہ آپ افغانستان کی طرز کا شرعی نظام قبول کریں گے؟ جہاں تک میں معلوم کر سکا ہوں عام لوگ ان تمام برائے نام "شرعی نظاموں" سے بیزار ہیں کیونکہ انہوں نے دیکھا ہے کہ ان کے نتیجہ میں دین کی کوئی بہتری یا برتری حاصل نہ ہوئی۔ بعض لوگوں نے مجھے کہا ہے 'قاضی مصر سے درآمد کئے جائیں' اور بعض لوگ سعودی عرب کے نظام خصوصاً وہاں کے امن عامہ سے متاثر ہیں جسے وہ پٹرول کی پیداوار اور بہتر معاشی حالات کی بجائے سخت شرعی سزاؤں کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔

میرے خیال میں اصل شرعی نظام تو تب آئے گا کہ مرکزی حکومت اور آئین ساز ادارہ بعد تحقیق اور غور صرف قرآن مجید کے بیان کردہ متفق علیہ اصولوں کی روشنی میں آئین خصوصاً رزق کے وسائل کو اسلامی مساوات کی بنا پر تقسیم کرنے کے ضوابط مرتب کرے اور ان کی روشنی میں اُمت کو "زکوٰۃ" یعنی ترقی دینے کے قوانین مرتب کرے

جیسا کہ قرآن مجید کہتا ہے کہ " اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ (۲۲/۴۱) نہ کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں سے مال زکوٰۃ وصول کر کے ملا صاحبان میں تقسیم کرنے کے قواعد کو ترتیب دے۔

البتہ اس وقت تک اگر صوبائی حکومت انگریزی نظام عدالت کی بجائے کوئی اور عدالتی نظام نافذ کرنا چاہتی ہے جو اسلامی تو بہرحال نہیں ہوگا تو اس کے لئے کم سے کم اتنا ضرور ہونا چاہیئے کہ اس کے لئے واضح غیر ژولیدہ تحریر شدہ ضابطہ قوانین مرتب کیا جائے چاہے اس کی بنیاد سابقہ مسلمان قاضیوں کے فیصلوں کے نظام فقہ پر ہو یا رسوم مروجہ میں سے اچھی اچھی باتوں پر یا دونوں کے معجون مرکب پر۔ مگر اپیل یا مدافعہ کا حق بہر حال ملک کے مجھے ہوئے اور قوانین اسلامی و عالمی سے واقف تعلیم یافتہ ججوں کو دینا چاہیئے جن کا بہترین نمونہ ملک کے موجودہ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ ہیں۔

اس قسم کے نظام کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ نچلی سطح پر بھی نیم خواندہ اور جاہل قسم کے قاضی مقرر نہیں کئے جاسکینگے۔ بلکہ کم از کم اتنے خواندہ قاضی جج یا مجسٹریٹ ہوں گے جو لکھے ہوئے قوانین کو سمجھ سکیں اور جن کے فیصلے ہائی کورٹ کے نقد و تعدیل کی تاب نہ لا سکیں۔

اگر کمیشن کے اراکین مندرجہ بالا خیالات کے متعلق مزید کوئی جرح و تعدیل کرنا چاہیں تو میں شخصاً حاضر ہونے کے لئے تیار ہوں۔　والسلام

آپکا
عبدالصمد اچکزئی (ایم۔پی۔اے)
شارع جمال الدین افغانی۔ کوئٹہ۔

طلوع اسلام
کیا ہم توقع کریں کہ محترم اچکزئی صاحب اپنے سیاسی مسلک پر بھی قرآن کریم کی روشنی میں نظر ثانی کریں گے؟

محترم پرویز صاحب کا درس قرآن کریم

لاہور میں
ہر اتوار صبح 9 بجے
بمقام
۲۵/بی۔ گلبرگ (۲) — لاہور
ٹیلیفون :- ۸۰۸۰۰

کراچی میں
ہر اتوار صبح ۹½ بجے
(بذریعہ ٹیپ)
بمقام :- دفتر بزم طلوع اسلام - ۱۱/۳ فردوس مارکیٹ
(بالمقابل بس سٹاپ) پہلی چورنگی ۔ ناظم آباد ۔ کراچی ۱۸
ٹیلیفون :- ۴۱۰۴۶۸

شاہد عادل

تفہیم القرآن (جلد سوم) مودودی صاحب پر ایک نظر

زیر تبصرہ تفسیر کی پہلی دو جلدوں کا تعارف، قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا چکا ہے۔ اب ہم حسب وعدہ جلد سوم کی ایک جھلک دکھاتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے تبصروں میں واضح کیا جا چکا ہے۔ ہم مودودی صاحب کی تفسیر کے صرف ان اہم نکات کو سامنے لا رہے ہیں جن کا عامۃ الناس کی زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ ورنہ ہر جلد کا مفصل تبصرہ ایک پوری کتاب کا تقاضا کرتا ہے۔

قبور صالحین پر مسجدیں بنانے کی ممانعت

اسلام میں قبر پرستی کی شدید ممانعت کے بارے میں ہم نے جلد دوم سے بھی ایک اقتباس نقل کیا تھا۔ اب ایک اقتباس اس جلد سے بھی ملاحظہ ہو۔ سورۃ الکہف کی آیت نمبر (۲۱) قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا (مگر جو لوگ ان کے معاملات پر غالب تھے۔ انہوں نے کہا "ہم تو ان پر ایک عبادت گاہ بنائیں گے") کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> مسلمانوں میں سے بعض لوگوں نے قرآن مجید کی اس آیت کا بالکل الٹا مفہوم لیا ہے۔ وہ اسے دلیل ٹھہرا کر مقابر صلحاء پر عمارتیں اور مسجدیں بنانے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہاں قرآن ان کی اس گمراہی کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جو نشانی ان ظالموں کو بعث بعد الموت اور امکان آخرت کا یقین دلانے کے لئے دکھائی گئی تھی۔ اسے انہوں نے ارتکاب شرک کے لئے ایک خداداد موقع سمجھا اور خیال کیا کہ چلو کچھ اور ولی پوجا پاٹ کے لئے ہاتھ آ گئے۔ پھر آخر اس آیت سے قبور صالحین پر مسجدیں بنانے کے لئے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے جبکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات اس کی نہی میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں پر مسجدیں بنانے اور ان پر چراغ کرنے والوں پر ..... وغیرہ۔
>
> (صفحہ ۱۸ ۔ طبع اول)

لیکن چونکہ ایسی تحریروں کے لکھنے والے خود اپنی تحریروں کا احترام نہیں کرتے اس لئے دن بدن ان بدعات میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ کاش مودودی صاحب احساس فرماتے کہ انہوں نے خانہ کعبہ کے فرضی غلاف کا طواف کرا کے ان بدعات کی کتنی حوصلہ افزائی کی ہے

جھوٹ مطلقاً بولنا حرام ہے

ہمارے مذہبی حلقوں میں بوقت ضرورت جھوٹ بولنے کو جائز سمجھا جاتا ہے۔ اور

اس کے لئے وہ ایک حدیث سے استناد کرتے ہیں کہ جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف تین جھوٹ منسوب کئے جاتے ہیں۔ مودودی صاحب جھوٹ بولنے کو حرام قرار دیتے ہیں۔ اور سورۃ الحج کی آیت نمبر ۳۰ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ (اور جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو) سے استدلال کرتے ہوئے مذکورہ بالا حدیث کو اسلامی تعلیمات کے خلاف ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

> اگرچہ الفاظ عام ہیں اور ان سے ہر جھوٹ، بہتان اور جھوٹی شہادت کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ . . . اس کے ساتھ جھوٹی قسم اور جھوٹی شہادت بھی اسی حکم کے تحت آتی ہے جیسا کہ صحیح احادیث میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا عُدلت شھادۃ الزور بالاشراک باللہ۔ جھوٹی گواہی شرک باللہ کے برابر رکھی گئی۔ اور پھر آپ نے ثبوت میں یہی آیت پیش فرمائی۔ اسلامی قانون میں یہ جرم مستلزم تعزیر ہے۔ امام ابویوسف اور امام محمد کا فتویٰ یہ ہے کہ جو شخص عدالت میں جھوٹا گواہ ثابت ہو جائے اس کی تشہیر کی جائے اور لمبی قید کی سزا دی جائے۔ یہی حضرت عمرؓ کا قول اور فعل بھی ہے۔ (صفحہ ۲۲۲)

جھوٹ کو شرک کے برابر قرار دینے کے بعد آپ حضرت ابراہیم کی جانب جھوٹ منسوب کرنے والی حدیث کا یوں تجزیہ فرماتے ہیں:

> یہ حدیث جس میں حضرت ابراہیم کے تین "جھوٹ" بیان کئے گئے ہیں صرف اسی وجہ سے قابلِ اعتراض نہیں ہے کہ یہ ایک نبی کو جھوٹا قرار دے رہی ہے بلکہ اس بنا پر بھی غلط ہے کہ اس میں جن تین واقعات کا ذکر کیا گیا ہے وہ تینوں ہی محلِ نظر ہیں۔ ان میں سے ایک جھوٹ کا حال ابھی آپ دیکھ چکے ہیں کہ کوئی معمولی عقل و خرد کا آدمی بھی اس سیاق و سباق میں حضرت ابراہیم کے اس قول پر "جھوٹ" کا اطلاق نہیں کر سکتا، کجا کہ ہم نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے معاذ اللہ اس سخن ناشناسی کی توقع کریں۔ اِنِّی سَقِیْمٌ والا واقعہ تو اس کا جھوٹ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ حضرت ابراہیم فی الواقعہ اس وقت بالکل صحیح و تندرست تھے اور کوئی ادنیٰ سی شکایت بھی اُن کو نہ تھی۔ . . . اب رہ جاتا ہے بیوی کو بہن قرار دینے کا واقعہ تو وہ بجائے خود ایسا مہمل ہے کہ ایک شخص اس کو سنتے ہی یہ کہہ دیگا کہ یہ ہرگز واقعہ نہیں ہو سکتا۔ (صفحہ ۱۴۷، ۱۴۸)

جھوٹ بولنا جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے

لیکن مودودی صاحب نے جھوٹ کی یہ حرمت اس وقت بیان فرمائی تھی جب انہوں نے اپنی حکمت عملی کی پالیسی وضع نہیں فرمائی تھی، حکمت عملی کی پالیسی وضع کرنے کے بعد انہیں بھی قدم قدم پر اس کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے بغیر کسی جھجک کے یہ اعلان فرما دیا:۔

> راستبازی اور صداقت شعاری اسلام کے اہم ترین اصولوں میں سے ہے اور جھوٹ اس کی نگاہ میں ایک بدترین برائی۔ لیکن عملی زندگی کی بعض ضرورتیں ایسی ہیں جن کی خاطر جھوٹ کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ بعض حالات میں اس کے وجوب تک کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ (رسالہ ترجمان القرآن۔ بابت مئی ۱۹۵۸ء)

احادیث کی صحت جانچنے کے نئے اصول

احادیث کو صحیح یا ضعیف قرار دینے کے لئے ائمہ حدیث نے بڑے تفصیلی اصول مرتب کئے ہیں۔ لیکن مودودی صاحب ایسی تمام صحیح احادیث کو جو ان کے منشاء مطلب نہ ہوں رد کر دیتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں ضعیف اور جھوٹی احادیث

قبول کر لیتے ہیں جس کے لئے وہ خود نئے اصول مقرر کرتے ہیں۔ چنانچہ اپنی دوسری کتابوں کی طرح اس تفسیر میں بھی ائمہ حدیث کے مقرر کردہ اصولوں پر خطِ تنسیخ پھیلاتے ہوئے مندرجہ ذیل نئے اصول پیش کرتے ہیں۔ مفسرین نے سورۃ انبیاء کی آیت نمبر ۶۲ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۔ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۔ (ترجمہ) انہوں نے پوچھا کیوں ابراہیم تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ یہ سب کچھ ان کے اس سردار نے کیا ہے۔ ان ہی سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں) کی تفسیر کے ذیل میں ایک حدیث بیان کی ہے جس میں حضرت ابراہیم کی طرف زندگی میں تین مرتبہ جھوٹ بولنا منسوب کیا گیا ہے۔ مودودی صاحب اس حدیث کو ناقابلِ اعتماد قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

فنِ حدیث کے نقطۂ نظر سے کسی روایت کی سند کا مضبوط ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ اس کا متن خواہ کتنا ہی قابلِ اعتراض ہو مگر اسے ضرور آنکھیں بند کر کے مان لیا جائے۔ سند کے قوی اور قابلِ اعتماد ہونے کے باوجود بہت سے اسباب ایسے ہو سکتے ہیں جن کی وجہ سے ایک متن غلط صورت میں نقل ہو جاتا ہے اور ایسے مضامین پر مشتمل ہوتا ہے جن کی قباحت خود پکار رہی ہوتی ہے کہ یہ باتیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے سند کے ساتھ ساتھ متن کو دیکھنا بھی ضروری ہے اور اگر متن میں واقعی کوئی قباحت ہو تو پھر خواہ مخواہ اس کی صحت پر اصرار کرنا صحیح نہیں ہے۔ (صفحہ ۱۶۷)

صفحہ ۲۰۰ پر صحیح احادیث کو رد کرتے ہوئے اور ایک ضعیف حدیث کو قبول کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

اگرچہ اس کی سند ضعیف ہے مگر قرآن سے مطابقت اس کے ضعف کو دور کر دیتی ہے اور یہ دوسری روایات سنداً قوی تر ہیں لیکن قرآن کے ظاہر بیان سے عدم مطابقت ان کو ضعیف تر کر دیتی ہے۔

پھر صحیح احادیث کو رد کرنے کا ایک اور اصول پیش کرتے ہیں۔

ہم اس سے پہلے بھی بارہا کہہ چکے ہیں اور یہاں پھر اس کا اعادہ کرتے ہیں کہ کوئی روایت خواہ اس کی سند آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہو ایسی صورت میں قابلِ قبول نہیں ہو سکتی جبکہ اس کا متن اس کے غلط ہونے کی کھلی کھلی شہادت دے رہا ہو۔ اور قرآن کے الفاظ، سیاق و سباق، ترتیب، ہر چیز اسے قبول کرنے سے انکار کر رہی ہو۔ یہ دلائل تو ایک متشکک اور بے لاگ محقق کو بھی مطمئن کر دیں گے کہ یہ قصہ قطعی غلط ہے۔ رہا مومن تو وہ اسے ہرگز نہیں مان سکتا جبکہ وہ علانیہ یہ دیکھ رہا ہے کہ یہ روایت قرآن کی ایک نہیں بیسیوں آیتوں سے ٹکراتی ہے۔ ایک مسلمان کے لئے یہ مان لینا بہت آسان ہے کہ خود اس روایت کے راویوں کو شیطان نے بہکا دیا۔[1] (ص ۲۴۳)

منکرِ حدیث کون ہے؟

مودودی صاحب نے صحت احادیث کے بارے میں ائمہ حدیث کے اصولوں کو بیکار کر دینے کے بعد جو نئے اصول پیش کئے ہیں۔ ان کے کچھ اقتباس تو قارئین نے ملاحظہ فرمالئے۔ انہیں پوری تفصیل سے دینی کتاب تفہیمات میں پیش فرمایا ہے۔ آپ بھی سنیئے:-

[1] جب طلوعِ اسلام حدیث پرکھنے کے متعلق یہی معیار پیش کرتا ہے تو مودودی صاحب اسے ملحد، زندیق اور منکرِ حدیث قرار دینے کے لئے صفحات سیاہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ (طلوعِ اسلام)

جو شخص اسلام کے مزاج کو سمجھ لیتا ہے اور جس نے کثرت کے ساتھ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا گہرا مطالعہ کیا ہوتا ہے وہ نبی اکرم کا ایسا مزاج شناس ہو جاتا ہے کہ روایات کو دیکھ کر خود بخود اس کی بصیرت اسے بتا دیتی ہے کہ ان میں سے کون سا قول یا کون سا فعل میرے سرکار کا ہو سکتا ہے اور کونسی چیز سنت نبوی سے اقرب ہے یہی نہیں بلکہ جن مسائل میں اس کو قرآن و سنت سے کوئی چیز نہیں ملتی ان میں بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فلاں مسئلہ پیش آتا تو آپ اس کا فیصلہ یوں فرماتے۔

یہ اس لئے کہ اس کی روح، روح محمدی میں گم اور اس کی نظر بصیرت نبوی کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔ اس کا دماغ اسلام کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے اور وہ اس طرح دیکھتا اور سوچتا ہے جس طرح اسلام چاہتا ہے کہ دیکھا اور سوچا جائے۔ اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد انسان اسناد کا بہت زیادہ محتاج نہیں رہتا۔

(صفحہ ۲۹۶ ، جلد اول)

کیا انکار حدیث کی اس سے بھی کوئی زیادہ سنگین صورت ہو سکتی ہے کہ محدثین جس حدیث کو صحیح قرار دیں مودودی صاحب اسے رد کر دیں اور جن احادیث کو محدثین رد کر دیں مودودی صاحب کو ان میں موتی نظر آئیں اور معیار اس کا "مزاج شناسی رسول" قرار دیں۔ لیکن ان کی ڈھٹائی کا کمال ملاحظہ ہو کہ صحیح احادیث کا انکار تو خود کرتے ہیں اور علامت اس کو طلوع اسلام کے پیچھے لگا دیتے ہیں۔

مکہ معظمہ کے مکانوں کے کرایہ کی حرمت

سورۃ الحج کی آیت نمبر ۲۵ — وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ۔ (اور اس مسجد حرام کی زیارت میں مانع ہیں جسے ہم نے سب لوگوں کے لئے بنایا ہے جس میں مقامی باشندوں اور باہر سے آنے والے کے حقوق برابر ہیں) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مودودی صاحب بہت سی روایات نقل کرتے ہیں جن سے مکہ شریف کے مکانوں کے کرایہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ ان مختلف روایات کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

ان روایات کی بنا پر بکثرت تابعین اس طرف گئے ہیں اور فقہاء میں سے امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہ کی بھی یہی رائے ہے کہ اراضی مکہ کی بیع اور کم از کم موسم حج میں مکے کے مکانوں کا کرایہ جائز نہیں۔ البتہ بیشتر فقہاء نے مکے کے مکانات پر لوگوں کی ملکیت تسلیم کی ہے۔ اور ان کی بحیثیت عمارت نہ کہ بحیثیت زمین بیع کو بھی جائز قرار دیا ہے۔

یہی مسلک کتاب اللہ و سنت رسول اللہ اور سنت خلفاء راشدین سے قریب تر معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کے مسلمانوں پر حج اس لئے فرض نہیں کیا ہے کہ یہ اہل مکہ کے لئے آمدنی کا ذریعہ بنے اور جو مسلمان احساس فرض سے مجبور ہو کر وہاں جائیں انہیں وہاں کے مالکان زمین اور مالکان مکانات خوب کرائے وصول کر کے لوٹیں۔ وہ ایک وقف عام ہے تمام اہل ایمان کے لئے۔ اس کی زمین کسی کی ملکیت

نہ ذبح کر کے زمین میں دفن کئے جانے والے قربانی کے جانوروں کا، تین دن میں جو کروڑوں روپے کا کاروبار ہو جاتا ہے اس کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ وہ سب اس لئے جائز نہیں ہو جاتا کہ اس سے جماعت اسلامی کو یہاں بیٹھے بٹھائے لاکھوں روپے قربانی کی کھالوں کے مل جاتے ہیں! (طلوع اسلام)

نہیں ہے، ہر زائر کو حق ہے کہ جہاں جگہ پائے ٹھہر جائے۔ (صفحہ ۲۱۶، ۲۱۷)

اگرچہ مودودی صاحب نے اس موضوع پر اکثر روایات جمع کردی ہیں، لیکن معلوم نہیں ان میں جو روایت سخت ترین تھی اس کا انہوں نے کیوں ذکر نہیں فرمایا۔ یہ وہ حدیث ہے جس میں حضور صلعم مکہ شریف کے مکانوں کے کرایہ کو سود قرار دیتے ہیں۔ مَنْ اَکَلَ کِرَاءَ اَرْضِ مَکَّةَ فَکَاَنَّمَا اَکَلَ الرِّبٰوا۔ (ترجمہ: جس نے مکہ معظمہ کے مکانوں کا کرایہ کھایا اس نے گویا سود کھایا۔

(ہدایہ مطبوعہ دہلی صفحہ ۴۵۷)

مودودی صاحب کی تصریح کے مطابق اس وقت کے درجنوں اسلامی ممالک میں سے صرف سعودی عرب کی حکومت اسلامی ہے۔ اس کی تفصیلات آگے آتی ہیں، لیکن اسی حکومت کے دور میں مکہ شریف کے مکانوں کے جو کرایے حجاج سے وصول کئے جاتے ہیں ان کی شرح ساری دنیا سے زیادہ ہے لیکن مودودی صاحب نے رابطۃ العالم الاسلامی کا رکن ہونے کے باوجود کبھی اس سنگین سودی کاروبار کو ختم کرنے کے لئے متعلقہ "اسلامی حکومت" کی توجہ نہیں دلائی حالانکہ اگر کوئی دوسرا مسلمان حکمران مودودی صاحب کے مزاج کے خلاف کوئی بات کہہ دے یا کر دے تو اسے مختلف قسم کے مغلظات سنائے جاتے ہیں۔ ان مغلظات کی جھلک پہلی قسط میں دکھائی جا چکی ہے۔

مساجد کی دکانوں کا کرایہ

جب ہم اپنے ملک کی اکثر مساجد کی طرف نظر اٹھاتے ہیں تو ہمیں ان کے چاروں طرف اور نیچے کرایہ کی دکانیں ہی دکانیں نظر آتی ہیں۔ بعض مقامات پر تو ان دکانوں کی رونق کی وجہ سے مساجد ان کے پیچھے چھپ چکی ہیں جن کی وجہ سے بعض اوقات نمازیوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے اور ان مساجد کا تقدس بھی مجروح ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس غیر مذاہب کی عبادت گاہوں پر نظر ڈالی جائے تو وہاں یہ صورت نہیں، بلکہ آس پاس کے صاف ستھرے ماحول کی وجہ سے ان میں تقدس کی جھلک نظر آتی ہے۔ کیا ہم ان غیر مسلموں کے مقابلے میں اتنے گئے گذرے ہیں کہ کرایہ کی دکانوں کے بغیر اپنی مساجد کو آباد نہیں رکھ سکتے۔ مودودی صاحب نے مکہ معظمہ کے مکانوں کے کرایے کی حرمت کے بارے میں جو احادیث نقل کی ہیں ان میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا ایک تفسیری قول بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پورے حرم مکہ کو مسجد بنا دیا ہے جہاں سب کے حقوق برابر ہیں۔ مکہ والوں کو باہر والوں سے کرایہ وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔ (صفحہ ۲۱۶)

جب مکہ شریف کے مکانوں کو مسجد کا مقام دے کر ان کے کرایوں کو حرام قرار دیا جا رہا ہے تو ہمارے لئے یہ کیسے جائز ہو جاتا ہے کہ ہم اصل مسجد کی زمین پر دکانیں تعمیر کرکے اسے کرایہ پر اٹھا دیں۔ یہ بہت اہم مسئلہ ہے جس کا تعلق کروڑوں مسلمانوں سے ہے۔ مودودی صاحب کو اسے واضح کرنا چاہیئے تھا لیکن معلوم نہیں وہ اتنے اہم مسئلہ کو کیوں گول کر گئے ہیں۔

حج کے علاوہ قربانی کا حکم

حج کے علاوہ دوسرے شہروں میں قربانی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس کے بارے میں سورہ الحج کی آیت لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰکِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ۔ (نہ ان کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں نہ خون، مگر اسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے) سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اس مقام پر یہ جان لینا چاہیئے کہ اس پیراگراف میں قربانی کا جو حکم دیا گیا ہے وہ صرف حاجیوں کیلئے

ہی نہیں ہے اور صرف مکے میں حج ہی کے موقع پر ادا کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ تمام ذی استطاعت مسلمانوں کے لئے عام ہے، جہاں بھی وہ ہوں، تاکہ وہ تعظیم حیوانات کی نعمت پر شکریہ اور تکبیر کا فرض بھی ادا کریں اور ساتھ ساتھ اپنے مقامات پر حاجیوں کے شریک حال ہو جائیں۔ حج کی سعادت میسر نہ آتی سہی، کم از کم حج کے دنوں میں ساری دنیا کے مسلمان وہ کام تو کر رہے ہوں جو حاجی جوار بیت اللہ میں کر رہے ہیں۔ اس مضمون کی تصریح متعدد احادیث میں وارد ہوتی ہے اور بکثرت معتبر روایات سے بھی ثابت ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود مدینہ طیبہ کے پورے زمانۂ قیام میں ہر سال بقرعید کے موقع پر قربانی کرتے رہے اور مسلمانوں میں آپ ہی کی سنت سے یہ طریقہ جاری ہوا۔ مسند احمد اور ابن ماجہ میں ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص استطاعت رکھتا ہو پھر قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔"

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ محدثین میں صرف اس امر پر اختلاف ہے کہ یہ مرفوع روایت ہے یا موقوف؟ (صفحہ ۲۲۹)

مودودی صاحب جس حدیث کے تمام راویوں کو ثقہ قرار دے رہے ہیں۔ اس کے بارے میں ائمہ حدیث کا فیصلہ بھی سن لیجئے۔ امام ابن حزم قربانی کے بارے میں تمام احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں وکل ھذا لیس بشیئ یعنی ان تمام احادیث کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ (المحلی لابن حزم جلد ۷ صفحہ ۳۵۷) اس کے بعد ان تمام احادیث کے ضعیف ہونے کے اسباب بیان فرماتے ہیں اور مودودی صاحب کی ثقہ راویوں والی حدیث کے متعلق لکھتے ہیں۔ واما حدیث ابی ھریرۃ فکلا طریقیہ من روایۃ عبد اللہ ابن عیاش ابن عباس القتبانی فلیس معروفا بالثقۃ۔ (ایضاً)، اور ابوہریرہؓ کی حدیث کے دونوں راویوں میں ایک راوی عبداللہ ابن عیاش ابن عباس القتبانی ہے جو غیر معتبر ہے۔

قارئین سمجھ گئے ہوں گے کہ غیر معتبر راویوں کو کیوں ثقہ قرار دیا جا رہا ہے۔ جماعت اسلامی کا مفاد بھی قربانی کی کھالوں سے وابستہ ہے۔ اسی لئے تو مودودی صاحب اسے قرآن مجید کا حکم[1] بنا کر ایک ضعیف حدیث سے ثابت کر رہے ہیں۔

ائمہ کا مسلک بیان کرنے میں غلط بیانی

یہی نہیں بلکہ اس مقصد کے لئے وہ ائمہ کا مسلک بیان کرتے ہوئے بھی غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔

ابراہیم نخعیؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام محمدؒ، اور ایک روایت کے مطابق امام ابو یوسفؒ بھی اس کو واجب مانتے ہیں۔ مگر امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یہ صرف سنت مسلمین ہے اور سفیان ثوری بھی اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کوئی نہ کرے تو مضائقہ نہیں۔ (صفحہ ۲۳۰)

مودودی صاحب فرما رہے ہیں کہ امام مالکؒ کے نزدیک قربانی واجب ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان کی فقہ میں واجب کی اصطلاح تک نہیں۔ اس بارے میں ان کا مسلک بھی وہی ہے جو امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا ہے جو مودودی صاحب کی تصریح کے مطابق فقہ کی نفیس ترین کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ میں یہ مسلک ان الفاظ میں بیان

[1] حالانکہ قرآن مجید میں ایسا کوئی حکم نہیں ہے۔ (طلوع اسلام)

کیا گیا ہے۔ یثاب فاعلہا ولا یعاقب تارکہا۔ (جلد اول صفحہ ۵۹۳) یعنی کرنے والے کو ثواب ملے گا اور نہ کرنے سے کوئی مضائقہ نہیں۔

بلکہ امام مالکؒ تو ان تمام ائمہ فقہ سے ایک قدم آگے ہیں۔ ان کے نزدیک حج کرنے والے کے لئے بھی یہ لازمی نہیں ورخص مالک للحاج فی ترکہا بمنیٰ۔ امام مالک نے حج کرنے والے کو منیٰ میں قربانی ترک کرنے کی رخصت دی ہے۔ (بدایۃ المجتہد جلد اول صفحہ ۳۴۷)

چونکہ قربانی کے مسئلے سے قربانی کی کھالوں کی وجہ سے جماعت اسلامی اور علماء کا ذاتی مفاد وابستہ ہے۔ اس لئے اس بارے میں کبھی عامۃ الناس کے سامنے صحیح شرعی صورت نہیں لائی گئی حالانکہ قربانی ان مسائل میں سے ہے کہ جن کی شرعی حیثیت پر صحابہؓ کا اجماع ہے۔ اس بارے میں امام ابن حزم قربانی کے عدم وجوب پر صحابہ کرامؓ کا اجماع نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سعید بن المسیبؒ اور الشعبیؒ سے بھی یہی روایت ہے اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ قربانی کی بجائے تین درہم خیرات کر دینا ان کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ (المحلی جلد ۶ صفحہ ۳۵۸)

زنا کی سزا کا قرآنی حکم اور رجم

زنا کے جرم کے بارے میں ایک سطر کا واضح قرآنی حکم موجود ہے کہ زانیہ عورت اور زانی مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ (سورۃ النور۔ ۲)۔ لیکن اگر قرآن کے احکام کو ان سادہ صورتوں میں مان لیا جائے تو پھر علماء کے گروہ کو کون پوچھے گا؟ چنانچہ جرم زنا کے اس قرآنی حکم پر یہ اضافہ کیا گیا کہ قرآن مجید والی سزا تو غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے لئے ہے اور شادی شدہ مرد اور عورت کی سزا رجم یعنی انہیں سنگسار کرنا ہے۔ مودودی صاحب سورۃ النور کی مذکورہ بالا آیت کی لمبی چوڑی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

> یہ امر کہ زنا بعد احصان کی سزا کیا ہے قرآن مجید نہیں بتاتا۔ بلکہ اس کا علم ہمیں حدیث سے ہوتا ہے۔ بکثرت معتبر روایات سے ثابت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف قولاً اس کی سزا رجم (سنگساری) بیان فرمائی ہے بلکہ عملاً آپ نے متعدد مقامات پر یہی سزا نافذ بھی کی ہے پھر آپ کے بعد چاروں خلفائے راشدین نے اپنے اپنے دور میں یہی سزا نافذ کی اور اسی کے قانونی سزا ہونے کا بار بار اعلان کیا۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین میں یہ مسئلہ بالکل متفق علیہ تھا۔ کسی ایک شخص کا بھی کوئی قول ایسا موجود نہیں ہے جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکے کہ قرن اول میں کسی کو اس کے ایک ثابت شدہ حکم شرعی ہونے میں کوئی شک تھا۔ . . . امت کی پوری تاریخ میں بجز خوارج[1] اور بعض معتزلہ کے کسی نے بھی اس سے انکار نہیں کیا ہے۔ (صفحہ ۳۲۷)

اس بارے میں مودودی صاحب نے خوارج اور معتزلہ کے اختلاف کا ذکر تو فرما دیا ہے لیکن دانستہ طور پر ان کے وہ دلائل نقل نہیں کئے کہ جن کی بنا پر وہ رجم کو خلافِ قرآن قرار دیتے تھے۔ حالانکہ ان اعتراضات نے بچارے مفسرین کو بڑا پریشان کیا اور وہ کہیں کے کہیں جا پہنچے۔

رجم کے خلاف جو دلائل دیئے گئے ہیں ان میں سے ایک سورۃ نساء کی یہ آیت بھی ہے۔

---

[1] عجیب بات ہے کہ یہ لوگ خود اپنے آپ کو خوارج یا معتزلہ نہیں کہتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو خالص مسلمان سمجھتے تھے۔ دوسرے گروہ طنزاً ان کو ان ناموں سے پکارتے تھے اور مودودی صاحب اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ القاب انہیں اور انکی جماعت کو بھی کبھی عنایت ہو سکتے ہیں۔

فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ۔

(پھر اگر وہ (لونڈیاں) شادی کے بعد کسی بدچلنی کی مرتکب ہوں تو ان پر اس سزا کی بہ نسبت آدھی سزا ہے جو محصنٰت کو دی جاتی ہے۔

محصنٰت کا ایک معنی شادی شدہ عورتیں ہیں۔ اس صورت میں یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر شادی شدہ عورت کی سزا سنگساری ہے تو لونڈی کے لئے اس کا نصف کیا ہوگا۔ اس کا یہ جواب دیا گیا کہ یہاں محصنٰت سے شادی شدہ عورتیں مراد نہیں بلکہ آزاد کنواری عورتیں مراد ہیں۔

غیر شادی شدہ لونڈی پر زنا کی کوئی حد نہیں

اب اگر اس استدلال کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر شادی شدہ لونڈی کی شرعی حد آزاد کنواری عورت کی حد سے نصف ہے تو غیر شادی شدہ لونڈی کی شرعی حد کیا ہوگی۔ اب چونکہ رجم والی شکل کی وجہ سے کوئی سزا بچتی ہی نہیں کہ جس کا نصف ہو سکے تو فرما دیا کہ غیر شادی شدہ زانیہ پر سرے سے کوئی حد ہی نہیں اور حضرت ابن عباسؓ کی زبانی یہ تفسیر پیش کر دی گئی۔

عن ابن عباس ان الامۃ اذا زنت قبل ان تحصن امۃ لا حد علیھا۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ لونڈی اگر شادی سے پہلے زنا کی مرتکب ہوگی تو اس پر کوئی حد نہیں۔

(احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۱۵)

اب قارئین اندازہ لگائیں کہ ایک طرف تو زنا کی سزا کو اتنا سخت بنایا جا رہا ہے کہ قرآن کے کوڑوں کے حکم پر اضافہ کر کے مجرموں کو سنگسار کر کے جان سے مارا جا رہا ہے اور دوسری طرف آنکھ چھوٹے کہ معاشرے میں آزادی سے پھرنے والی لونڈیوں کو زنا کی کھلی چھٹی دی جا رہی ہے۔ ان لوگوں نے اسلام کو کس قدر مضحکہ بنا دیا ہے۔

قرآنی احکام میں معمولی کمی زیادتی پر اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی

قرآنی سزا پر یہ اضافہ انہیں صرف یہیں تک نہیں لایا بلکہ اس بارے میں اور بھی عجیب عجیب نکتہ آفرینیاں کی جاتی ہیں۔ ہمارے علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ قرآنی احکام میں معمولی سی کمی بیشی سے اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتا ہے چاہے یہ کمی بیشی کتنی ہی نیک نیتی سے کیوں نہ کی گئی ہو۔ اور ایسا کرنے والے کو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ امام فخر الدین رازیؒ نے اس اصول کو بیان کرنے کے بعد اس کی تائید میں رسول اللہ صلعم کی یہ حدیث بیان فرمائی ہے۔

یوتیٰ بوالٍ نقص من الحد سوطاً فیقال لہ لم فعلت ذالک؟ فیقول رحمۃ لعبادک فیقال لہ انت ارحم بھم منی؟ فیومر بہ الی النار۔ ویوتیٰ بمن زاد سوطاً فیقال لہ لم فعلت ذلک فیقول لتنتھوا عن معاصیک۔ فیقول انت احکم بھم منی؟ فیومر بہ الی النار۔

قیامت کے روز ایک حاکم لایا جائے گا جس نے حد میں سے ایک کوڑا کم کر دیا تھا۔ پوچھا جائے گا یہ حرکت تو نے کیوں کی تھی۔ وہ عرض کرے گا۔ آپ کے بندوں پر رحم کھا کر۔ ارشاد ہوگا۔ اچھا۔ تو ان کے حق

میں مجھ سے زیادہ رحیم تھا! بچہ حکم ہو گا ہے جاؤ اسے دوزخ میں۔ ایک اور حاکم لایا جائے گا جس نے حد پر ایک کوڑے کا اضافہ کر دیا تھا۔ پوچھا جائے گا۔ تم نے یہ کس لئے کیا تھا وہ عرض کرے گا تاکہ لوگ آپکی نافرمانیوں سے باز رہیں۔ ارشاد ہو گا۔ اچھا تو ان کے معاملے میں مجھ سے زیادہ حکیم تھا! بچہ حکم ہو گا۔ لے جاؤ اسے دوزخ میں۔" (تفسیر کبیر۔ جلد ۶۔ صفحہ ۲۲۵)

دورِ رسالت میں رجم کے بارے میں قرآن میں ایک آیت موجود تھی

چنانچہ جب رجم کے دعویداروں کے سامنے اس ارشادِ رسول کو لایا گیا کہ اس میں تو ایک کوڑے کی زیادتی کی وجہ سے ایک مسلمان حکمران کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا تو پھر رجم کی سزا کا کیا بنے گا کہ جس کا قرآن مجید میں ذکر تک نہیں۔ اس کے جواب میں ایک نہایت مضحکہ خیز بات کی گئی کہ دورِ رسالت میں تو اس بارے میں ایک آیت قرآن مجید میں موجود تھی لیکن معلوم نہیں بعد میں وہ کہاں گئی۔ اور حضرت عمرؓ کی زبانی یہ کہلوا دیا گیا۔

عن ابن عباس قال قال عمر قد خشیت ان یطول بالناس زمان حتی یقول قائل لا نجد الرجم فی الکتاب اللہ فیضلو بترک فریضۃ انزلھا اللہ وقد قرأنا الشیخ و الشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ۔ (احکام القرآن للجصاص جلد ۲، ۳)

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ زمانہ گزرنے پر لوگ یہ نہ کہیں کہ ہم قرآن مجید میں رجم کا ذکر نہیں پاتے تو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ فرض ترک کرنے پر وہ گمراہ نہ ہو جائیں۔ ہم نے خود یہ آیت پڑھی تھی کہ جب بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کے مرتکب ہوں تو انہیں مطلق سنگسار کر دو۔

بوڑھے زانی کو حد سے بچانے کا حیلہ

معلوم نہیں کہ قرآن مجید پر کس دور میں مہربانی فرمائی گئی کہ رجم کی سزا کے مستحق مجرموں کے لئے صحیح لفظ بھی استعمال نہ کئے جا سکے۔ قرآن کے فصیح اسلوبِ بیان کے مطابق یہ الفاظ المحصنؔ و المحصنۃ ہونے چاہئیں تھے نہ کہ شیخ اور شیخہ۔ جو بڑھاپے پر دلالت کرتے ہیں۔ حالانکہ جہاں تک بوڑھے زانی کی سزا کا تعلق ہے' مودودی صاحب ایک حیلے سے اسے بچا لیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:-

اگر مجرم مریض ہو اور اس کے صحت یاب ہونے کی امید نہ ہو یا بہت بوڑھا ہو تو سو شاخوں والی ایک ٹہنی یا سو تیلیوں والی ایک جھاڑو لے کر صرف ایک دفعہ مار دینا چاہیئے تاکہ قانون کا تقاضا پورا کر دیا جائے[2]۔ (صفحہ ۳۴۱)

سنگین سزا اور بچنے کی تدابیر

زنا کی سزا کو قرآن حکیم سے بھی زیادہ سنگین بنا دینے کے بعد اس پر بعض ایسی شرائط عاید کر دی گئیں کہ رجم کی سزا تو کجا زنا کی کسی قسم پر سزا دینے کی نوبت ہی نہ آ سکے۔ پہلی کڑی شرط تو یہ ہے کہ چار آدمی یہ گواہی دیں کہ ہم نے زانی اور زانیہ کے اعضاء کو اس طرح دیکھا

---

[1] ایک روایت کے مطابق اسے حضرت عائشہؓ کی بکری کھا گئی تھی۔ (طلوعِ اسلام)

[2] کیا دلچسپ طریقہ ہے "قانون کا تقاضا پورا کرنے کا"! (طلوعِ اسلام)

جیسے سرمہ دانی میں سلائی اور کنوئیں میں رسی (صفحہ ۳۳۳) اس کے لئے کوئی قرآنی دلیل نہیں دی جاتی۔ بصورت دیگر غیر عورت کے ساتھ (جماع کے سوا) جو کچھ بھی کر لیا جائے اس پر کوئی حد نہیں۔ اس کی تائید میں مودودی صاحب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ شہر کے باہر میں ایک عورت سے سب کچھ کر گزرا بجز جماع کے۔ آپ حضور جو چاہیں سزا دیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ جب خدا نے پردہ ڈال دیا تھا تو تو بھی پردہ پڑا رہنے دیتا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور وہ شخص چلا گیا۔ پھر آپ نے اسے واپس بلایا اور یہ آیت پڑھی: "نماز قائم کرو دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات گزرنے پر۔ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ ایک شخص نے پوچھا "کیا یہ اسی کے لئے خاص ہے" حضورؐ نے فرمایا "نہیں سب کے لئے ہے"

(مسلم۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔) صفحہ ۳۲۹

پھر اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

یہی نہیں بلکہ شریعت اس کو بھی جائز نہیں رکھتی کہ کوئی شخص اگر جرم کی تصریح کے بغیر اپنے مجرم ہونے کا اعتراف کرے تو کھوج لگا کر اس سے پوچھا جائے کہ تو نے کونسا جرم کیا ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا "یا رسول اللہ میں حد کا مستحق ہو گیا ہوں مجھ پر حد جاری فرمایئے۔ مگر آپ نے اس سے نہیں پوچھا کہ تو کس حد کا مستحق ہوا ہے۔ پھر نماز سے فارغ ہو کر وہ شخص پھر اٹھا اور کہنے لگا کہ میں مجرم ہوں مجھے سزا دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تو نے ابھی ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی ہے؟ اس نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ فرمایا بس تو اللہ تعالےٰ نے تیرا قصور معاف کر دیا۔ (بخاری، مسلم، احمد)۔ صفحہ ۳۲۶

یہ تو چھوٹے کا پہلا درجہ تھا۔ اب اگر زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے تو مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ اسلامی قانون یہ لازم نہیں کرتا کہ کوئی شخص اپنے جرم کا خود دستبردار کرے یا جو لوگ کسی شخص کے جرم زنا پر مطلع ہوں وہ ضرور ہی اس کی خبر حکام تک پہنچائیں۔ (صفحہ ۳۳۲) اس کے لئے وہ کوئی قرآنی دلیل پیش نہیں کرتے بلکہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ من اتی شیئا من ھذہ القاذورات فلیستتر بستر اللہ فان ابدی لنا صفحتہ اقمنا علیہ (ترجمہ۔ تم میں سے جو شخص ان گندے کاموں میں سے کسی کا مرتکب ہو جائے تو اللہ کے ڈالے ہوئے پردے میں چھپا رہے لیکن اگر وہ ہمارے سامنے اپنا پردہ کھولے گا تو ہم اس پر کتاب اللہ کا قانون نافذ کر کے چھوڑیں گے)

چار گواہوں کی شہادت کی کڑی شرط

اب چار گواہوں کی اس کڑی شرط کی طرف آیئے۔ جنہوں نے اس جرم کے ارتکاب میں مرد اور عورت کے اعضاء کو اس طرح دیکھا ہو جیسے سرمہ دانی میں سلائی اور کنوئیں میں رسی۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ وحشی سے وحشی انسان بھی یہ فعل چھپ چھپ کر کرتے ہیں چہ جائیکہ وہ ایسا مجرم ہو جسے ہر لمحہ سزا کا خوف ہو اور سزا بھی ایسی کہ زندگی کا خاتمہ۔ اسلئے اول تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ایسے چار گواہ مل جائیں۔ اور بالفرض اگر مل جائیں لیکن جرح کے دوران کسی ایک کے بیان میں اختلاف ہو جائے تو پھر یہی گواہ مجرم بن کر حد کے مستحق ہو جائیں گے۔ جہاں تک راقم کے محدود مطالعہ کا تعلق ہے صدر اسلام میں ایک ہی ایسے واقعے کا ذکر ملتا ہے جس کا ذکر مودودی صاحب نے بھی اپنی تفسیر کے

صفحہ ۳۳۴ پر فرمایا ہے۔ وہ یوں کہ بصرے کے گورنر مغیرہ بن شعبہ کے خلاف چار گواہوں نے زنا کے ارتکاب کی گواہی دی لیکن دورانِ جرح ایک گواہ کے بیان میں کچھ اختلاف پیدا ہو گیا۔ تو حضرت عمرؓ نے نہ صرف ملزم کو بری کر دیا بلکہ بقیہ تین گواہوں پر حد قذف بھی جاری فرمائی۔ (صفحہ ۳۳۴، ۳۳۵) یعنی زنا کی گواہی دینے والے تین گواہوں کو اسّی اسّی کوڑوں کی سزا دی۔

گواہی کی ان کڑی شرائط کے بعد کون گواہی دینے کی جرأت کریگا۔ اس لئے ان شرائط کی موجودگی میں زنا کے ارتکاب کے باوجود رجم کی سزا دینے کی سرے سے نوبت ہی نہیں آئے گی۔ یہ ہے قرآن پر اضافہ کرنے کا نتیجہ۔

چہرے کا پردہ

جب ائمہ فقہ کا مسلک مودودی صاحب کے مفید مطلب ہو تو بڑا سے بڑی تفصیل اور حوالوں سے نقل کرتے ہیں لیکن جب ان کے خلاف جاتا ہو تو بھول کر بھی اس کا ذکر نہیں فرماتے۔ مسئلہ زیر بحث میں بھی بالکل یہی طرزِ عمل اختیار کرتے ہوئے سورۃ النور کی آیت قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ۔ (اے نبی! مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں) کی تفسیر کے ذیل میں اپنا اجتہاد یوں رقم فرماتے ہیں:۔

> سورۃ احزاب میں احکامِ حجاب نازل ہونے کے بعد جو پردہ مسلم معاشرے میں رائج کیا گیا تھا اس میں چہرے کا پردہ شامل تھا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اس کا رائج ہونا بکثرت روایات سے ثابت ہے۔ (صفحہ ۳۸۱)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کی یہ "کثیر روایات" ائمہ فقہ کو کہیں نہ مل سکیں وہ ائمہ فقہ صرف یہ کہ چہرہ کو پردہ کے حکم سے خارج سمجھتے ہیں بلکہ وہ مردوں کو اس کے دیکھنے کی بھی اجازت دیتے ہیں۔ حنفی فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:۔

> ولا یجوز ان ینظر الرجل الی الاجنبیہ الا وجہھا و کفیھا۔
>
> (ترجمہ) مرد کے لئے کسی اجنبی عورت کے ہاتھوں اور چہرے کے سوا کسی اور چیز کی طرف دیکھنا جائز نہیں۔ (ہدایہ آخرین مصطفائی صفحہ ۴۴۲)

مسلمان حکومتوں کی فرعون سے مشابہت

اس وقت دنیا میں درجنوں اسلامی ممالک ہیں لیکن مودودی صاحب کے خیال کے مطابق ایک کے سوا سب اسلامی حکومتیں فرعون کی مثیل ہیں۔ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَآ اَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ۔ (اور فرعون نے کہا۔ اے اہلِ دربار میں تو اپنے سوا تمہارے کسی خدا کو نہیں جانتا) کی تفسیر کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

> اس لحاظ سے اگر غور کیا جائے تو فرعون کی پوزیشن اِن ریاستوں کی پوزیشن سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے جو خدا کے پیغمبر کی لائی ہوئی شریعت سے آزاد و خود مختار ہو کر اپنی سیاسی اور قانونی حاکمیت کے مدعی ہیں۔ وہ خواہ سرچشمہ قانون اور صاحب امر و نہی کسی بادشاہ کو مانیں یا قوم کی مرضی کو بہرحال جب تک وہ یہ موقف اختیار کئے ہوئے ہیں کہ ملک میں خدا اور اس کے رسول کا نہیں بلکہ ہمارا حکم چلے گا اس وقت تک ان کے اور فرعون کے موقف میں کوئی اصولی فرق نہیں ہے۔ اب یہ الگ

بات ہے کہ بے شعور لوگ فرعون پر لعنت بھیجتے رہیں اور ان کو سندِ جواز عطا کرتے رہیں۔ (صفحہ ۳۷، ۱۳۸)
قارئین منتظر ہوں گے کہ وہ کون سا خوش قسمت ملک ہے جو مودودی صاحب کے مثیلِ فرعون ہونے سے بچ گیا۔ وہ ملک ہے سعودی عرب جسے بادشاہی نظام (موروثی ملوکیت) کے باوجود مودودی صاحب خالص اسلامی حکومت قرار دیتے ہیں۔ اپنے سعودی عرب کے دورہ کے اختتام پر فرماتے ہیں۔

> اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ یہاں ایسی حکومت قائم ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو اپنے فرائض میں شمار کرتی ہے۔ آپ کے اس علاقے کے سوا دنیا میں کوئی مسلمان حکومت بھی ایسی نہیں جو اپنے فرائض میں اس چیز کو شمار کرتی ہو یا اس کا تصور بھی کرتی ہو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا شعبہ بنائے اور اسکی پولیس کو باقاعدہ قانونی اختیارات دے۔ ہمارا پاکستان بھی اسلام کے نام پر بنا تھا۔ لیکن ابھی تک اس کو یہ توفیق نصیب نہیں ہوئی ہے کہ اس قسم کے کاموں کا فکر کرسکے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ آپ کے ہاں مقدم قوانینِ شریعت ہی کے نافذ ہیں۔ یہ بات بھی دنیا کے کسی دوسرے ملک کو حاصل نہیں ہے۔ یہاں کی ان خوبیوں کو دیکھ کر انتہائی خوشی ہوتی ہے۔
>
> (سفرنامہ ارض القرآن صفحہ ۸۶)

کیا رسول اللہ ان پڑھ تھے

مودودی صاحب کا اصرار ہے کہ رسول اللہ صلعم ان پڑھ تھے۔ اور ساری عمر ناخواندہ ہی رہے۔ اس کی تائید میں وہ سورۃ العنکبوت کی آیت وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ (اے نبی! تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے) استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

> قرآن مجید کے اس بیان و استدلال کے بعد اُن لوگوں کی جسارت حیرت انگیز ہے جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو خواندہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہاں قرآن صاف الفاظ میں حضورؐ کے ناخواندہ ہونے کو آپ کی نبوت کے حق میں ایک طاقت ور ثبوت کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ جن روایات کا سہارا لیکر یہ دعوےٰ کیا جاتا ہے کہ حضور لکھے پڑھے تھے یا بعد میں آپ نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا وہ اول تو پہلی ہی نظر میں رد کر دینے کے لائق ہیں کیونکہ قرآن کے خلاف کوئی روایت بھی قابلِ قبول نہیں ہوسکتی۔ پھر وہ بجائے خود بھی اتنی کمزور ہیں کہ ان پر کسی استدلال کی بنیاد قائم نہیں ہوسکتی۔ (صفحہ ۱۳)

آیت میں مِنْ قَبْلِهٖ کے واضح الفاظ ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کے بعد آپ ناخواندہ نہیں رہے تھے بلکہ پہلی وحی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ۔ آپ کے لکھنا پڑھنا سیکھنے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ دراصل معلّم انسانیت کو جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ناخواندہ ثابت کیا جاتا ہے تو اس کی بنیاد وہ الفاظ قرآنی ہیں جن میں آپ کو نبی الامی کہا گیا ہے۔ قرآن مجید میں رسول اللہ صلعم کے لئے دو مقامات پر النبی الامی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اور عام طور پر اُمّی کے معنی ان پڑھ ہی کے کئے جاتے ہیں اور جو مفسرین آپ کو خواندہ سمجھتے تھے وہ اس بارے میں احادیث سے استدلال کرتے تھے لیکن چونکہ مودودی صاحب اپنے مطلب کے خلاف صحیح احادیث کو بھی تسلیم

نہیں کرتے اس لئے ان کے سامنے ایسی احادیث تو پیش کرنی بیکار ہیں البتہ ہم قرآن مجید سے اس کے لئے دلائل پیش کرتے ہیں

ایک مفسر کے لئے سب سے اہم بات یہ ہوتی ہے کہ جب وہ کسی اختلافی مفہوم کے لفظ کے معنی متعین کرے تو وہ قرآن میں استعمال ہونے والے ایسے تمام الفاظ کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "اُمّی" کے معنی "ان پڑھ" کرتے ہوئے مودودی صاحب نے اس اہم اصول کو در خور اعتنا نہیں سمجھا۔ اب ہم قارئین کے سامنے اس مفہوم کے کچھ الفاظ لاتے ہیں۔ جن سے خود بخود واضح ہو جائے گا کہ قرآن میں استعمال شدہ اس لفظ کے معنی ان پڑھ نہیں بلکہ کچھ اور ہی بنتے ہیں۔

پہلے سورت جمعہ کی یہ آیت ملاحظہ ہو۔

بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ۔

اللہ تعالےٰ نے امی قوم کے لوگوں میں انہیں سے ایک رسول مبعوث فرمایا۔

یہاں جیسا کہ خود آیت سے ظاہر ہو رہا ہے بنی اسمٰعیل کے لوگ جو مکہ معظمہ میں آباد تھے، مراد ہیں اور خود رسول اللہ صلعم بھی انہی میں سے تھے۔ کیا یہ ساری کی ساری قوم ہی ان پڑھ تھی حالانکہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان میں سے کئی اہل علم تھے۔

الامیین کا لفظ بنی اسمٰعیل کے لئے استعمال ہونا سورۃ آل عمران کی اس آیت نمبر ۲۰ سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ ءَأَسْلَمْتُمْ۔ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا۔

(ترجمہ) اور (اے رسول!) تم اہل کتاب سے اور امیین سے پوچھو کہ کیا تم نے اسلام قبول کر لیا؟ اگر انھوں نے اسلام قبول کر لیا تو وہ ہدایت پا گئے۔

اسی طرح آیت (۳ : ۷۵) میں بھی امیین سے مراد بنی اسمٰعیل ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ بنو اسمٰعیل کو قرآن مجید میں "امی" کا لقب کیوں دیا گیا ہے تو اس کا جواب بھی خود قرآن مجید کے اندر ہی موجود ہے۔ سورۃ انعام کی یہ آیت ملاحظہ ہو۔

وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا۔ (آیت نمبر ۹۲)

اور یہ کتاب جسے ہم نے نازل کیا ہے برکتوں سے بھرپور ہے اور پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے تاکہ تم اس سے ام القریٰ اور اس کے ارد گرد رہنے والے لوگوں کو متنبہ کرو۔

اور اسی ام القریٰ کی نسبت سے بنی اسمٰعیل کو امی کہتے تھے۔ جن لوگوں کو عربی گرامر کی تھوڑی بہت شد بد ہے ان کے لئے اس کی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں تاہم عام قارئین کے لئے نسبت کے اس قاعدے کو ہم تھوڑا سا واضح کئے دیتے ہیں۔ امی کا لفظ عام قاعدے کے مطابق اُمّ القریٰ کے مرکب اضافی کے مضاف "اُم" میں یائے نسبت لگا کر بنایا گیا ہے۔ کیونکہ عربی گرامر کا یہ عام قاعدہ ہے کہ اگر منسوب الیہ مرکب ہو تو طوالت سے بچنے کے لئے اس کے پہلے

جن کے ساتھ یائے نسبت لگا دی جاتی ہے۔ مثلاً اسلامی تاریخ میں ...... آپ کو عبیدیین خاندان کا حال ملتا ہے۔ ان کی نسبت بھی اسی قاعدے کے مطابق بنائی گئی ہے۔ حکومت فاطمیہ کے بانی کا نام عبید اللہ المہدی تھا۔ اور اس میں عبید اللہ کے مرکب اضافی کے مضاف "عبید" کے ساتھ یائے نسبت لگا کر عبیدی بنایا گیا جس کی جمع عبیدیین بنتی ہے جیسا کہ امی کی امیین۔ مختصر یہ کہ امی سے مراد امی قوم یعنی بنی اسمٰعیل کا ایک فرد ہے نہ کہ ان پڑھ۔

کاش مودودی صاحب عربی گرامر کا یہ معمولی سا قاعدہ بھی سامنے رکھ لیتے تو انہیں رسول اللہ صلعم کو خواندہ کہنے والوں کو ڈانٹنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ کاغذ کی قلت اس سے زیادہ تبصرہ کی اجازت نہیں دیتی اس لئے اسے کافی سمجھتے ہوئے اگلی جلد کی جھلک دیکھنے کے منتظر رہئے۔

کاتب کی ضرورت

ادارہ طلوع اسلام کے لئے ایک کاتب کی ضرورت ہے۔ خط کا معیار موجودہ طلوع اسلام کے خط کا سا ہونا چاہیئے۔ کام ہمہ وقتی ہوگا۔ خواہشمند حضرات قلم دوات ساتھ لے کر اتوار کے علاوہ کسی روز (۸ مارچ تک) شام ۳ بجے سے ۵ بجے تک ادارہ کے دفتر واقع ۲۵/بی گلبرگ (۲) نزد مین مارکیٹ متصل پولیس اسٹیشن گلبرگ تشریف لائیں۔

(ناظم ادارہ طلوع اسلام)

اردو سٹینوگرافر کی ضرورت

ادارہ طلوع اسلام کے لئے ایک ہمہ وقتی اردو سٹینوگرافر کی ضرورت ہے۔ شارٹ ہینڈ کی رفتار کم از کم ایک سو الفاظ اور ٹائپ کی رفتار کم از کم چالیس الفاظ فی منٹ ہونی چاہیئے۔ تنخواہ معقول دی جائے گی۔

خواہشمند حضرات ۱۰ مارچ ۱۹۷۳ء کو شام ۵ بجے ادارہ کے دفتر واقع ۲۵/بی گلبرگ (۲) نزد مین مارکیٹ متصل پولیس اسٹیشن ٹیسٹ کے لئے تشریف لاویں۔

(ناظم ادارہ طلوع اسلام)

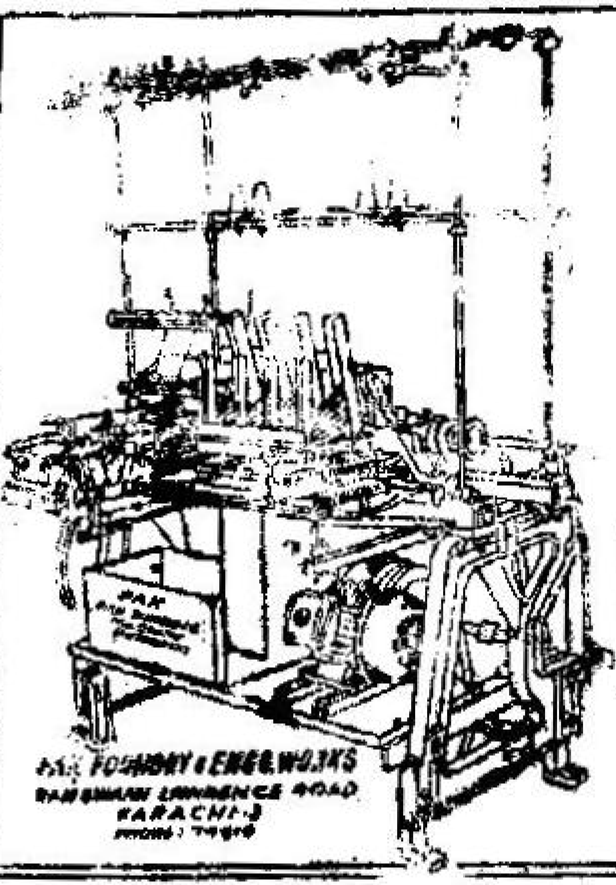

SOLE MANUFACTURERS

of

FOUR SPINDLE
AUTOMATIC
PIRN WINDING
MACHINES

PAK FOUNDRY & ENGG. WORKS

RAMSWAMI

LAWRENCE ROAD

KARACHI-3 PHONE: 74614

کپڑے دھونے کیلئے بہترین صابن

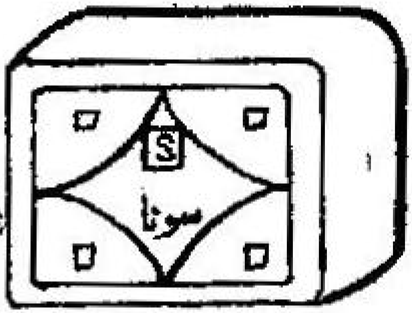

ہمیشہ
استعمال
کیجیے!

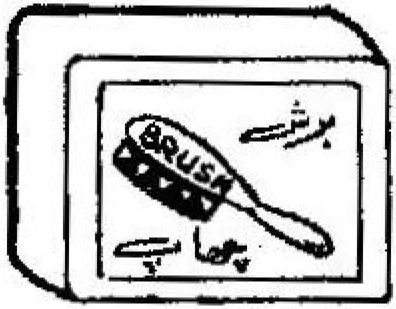

برش چھاپ ——— اور ——— سونا مارکہ

سوتی، اونی اور ریشمی کپڑوں کو صاف و شفاف کرتا ہے ——— ہر جگہ دستیاب ہے!

ثریا سوپ فیکٹری کراچی

SURYA SOAP FACTORY KARACHI.

طوفان کا کامیابی سے مقابلہ کرنے کے بعد ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے
نہیں بیٹھ سکتے۔ حالات کا رُخ بدلنے کی کوششوں میں
مسلم کمرشیل بینک اپنا اہم کردار انجام دے رہا ہے۔

مسلم کمرشیل بینک لمیٹڈ

REYMEN MCB 60/12/72